معرفت امام حسینؑ

مرتبہ

مجاہد حسین حر

معرفت امام حسین علیہ السلام

مرتبہ

مجاہد حسین حر

ناشر

معراج کمپنی لاہور

نام کتاب .... معرفت امام حسین علیہ السلام
مرتبہ .... مجاہد حسین حر
پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری
کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس فیز ۴
ناشر .... معراج کمپنی لاہور
ہدیہ ....

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

03214971214، 04237361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

03335234311

انتساب

راہِ خدا راہِ امام حسین ابن علی علیہما السلام
پر چلنے والوں کے نام

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

''معرفت امام حسین علیہ السلام'' اگرچہ ایک مختصر کتاب ہے لیکن ایک اچھی کوشش ہے ہمیں امید ہے کہ قارئین کو پسند آئے گی اگر قارئین کرام اس کتاب میں کوئی کمی یا خامی دیکھیں تو ادارہ کو مطلع ضرور فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر لی جائے۔

خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو کربلا کے راہیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

ادارہ

فہرست کتاب

چند سوالات کے جوابات

مختصر تعارف امام

آپ کی ولادت

حضرت امام حسنؑ کی ولادت کے بعد پچاس راتیں گزریں تھیں کہ حضرت امام حسنؑ کا نطفہ وجود بطن مادر میں مستقر ہوا تھا حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ ولادت حسن اور استقرار حمل حسینؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا (اصابہ نزول الابرار واقدی)۔

ابھی آپ کی ولادت نہ ہونے پائی تھی کہ بروایتی ام الفضل بنت حارث نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں رکھا گیا ہے اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ حضور آج ایک بہت برا خواب دیکھا ہے، حضرت نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواب تو نہایت ہی عمدہ ہے اے ام الفضل کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش آئے گا۔

آپ کے ارشاد فرمانے کو تھوڑی ہی عرصہ گزرا تھا کہ خصوصی مدت حمل صرف چھ ماہ گزر کر نور نظر رسول امام حسینؑ بتاریخ ۳/ شعبان ۴ ہجری بمقام مدینہ منورہ بطن مادر سے

آغوش مادر میں آگئے۔ (شواہد النبوۃ ص ۱۳، انوار حسینہ جلد ۳ ص ۴۳ بحوالہ صافی ص ۲۹۸، جامع عباسی ص ۵۹، بحار الانوار و مصباح طوسی ابن نما ص ۲ وغیرہ)۔

ام الفضل کا بیان ہے کہ میں حسب الحکم ان کی خدمت کرتی رہی، ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے آغوش محبت میں لے کر پیار کیا اور آپ رونے لگے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے و بتلا گئے ہیں کہ یہ بچہ امت کے ہاتھوں نہایت ظلم وستم کے ساتھ شہید ہوگا، اور اے ام الفضل و مجھے اس کی قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دے گئے ہیں (مشکواۃ جلد ۸ ص ۱۴۰ طبع لاہور)۔

اور مسند امام رضا ص ۳۸ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ واقعہ فاطمہ سے کوئی نہ بتلائے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی، ملا جامی لکھتے ہیں کہ ام سلمہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول خدا میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے، اور چہرہ پر گرد پڑی ہوئی تھی، میں نے اس پریشانی کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے فرمایا مجھے ابھی ابھی جبرئیل عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے وہاں میں نے جائے قتل حسین علیہ السلام دیکھی ہے اور یہ مٹی لایا ہوں اے ام سلمہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسین علیہ السلام شہید ہو گیا۔ الخ (شواہد النبوت ص ۱۷۴)۔

آپ کا اسم گرامی

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چسایا، اس کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، پھر دعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا

(نورالابصار ص ۱۱۳)۔

علماء کا بیان ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے کسی کا بھی نہیں تھا، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام خود خداوند عالم کا رکھا ہوا ہے (ارجح المطالب وروضۃ الشہداء ص ۲۳۶)۔

کتاب اعلام الوری طبرسی میں ہے کہ یہ نام بھی دیگر آئمہ کے ناموں کی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

آپ کا عقیقہ

امام حسین علیہ السلام کا نام رکھنے کے بعد سرور کائنات نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن کا عقیقہ کیا گیا ہے اسی طرح اس کے عقیقہ کا بھی انتظام کرو، اور اسی طرح بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو، جس طرح اس کے بھائی حسن کے لیے کر چکی ہو، الغرض ایک مینڈھا منگوایا گیا، اور رسم عقیقہ ادا کردی گئی (مطالب السؤل ص ۲۴۱)۔

بعض معاصرین نے عقیقہ کے ساتھ ختنہ کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک قطعاً ناقابل قبول ہے کیونکہ امام کا مختون پیدا ہونا مسلمات سے ہے۔

کنیت والقاب

آپ کی کنیت صرف ابوعبداللہ تھی، البتہ القاب آپ کے بے شمار ہیں جن میں سید وسبط اصغر، شہید اکبر، اور سید الشہداء زیادہ مشہور ہیں۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور سید خود رسول کریم کے معین کردہ القاب ہیں (مطالب السؤل ص ۲۱۲)۔

آپ کی رضاعت

اصول کافی باب مولد الحسین ص ۱۱۴ میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد نہ حضرت فاطمہ زہرا کا شیر مبارک نوش کیا اور نہ کسی اور دائی کا دودھ پیا، ہوتا یہ تھا کہ جب آپ بھوکے ہوتے تھے تو سرور کائنات تشریف لا کر زبان مبارک دہن اقدس میں دے دیتے تھے اور امام حسین علیہ السلام اسے چوسنے لگتے تھے، یہاں تک کہ سیر و سیر آب ہو جاتے تھے، معلوم ہونا چاہئے کہ اسی سے امام حسین علیہ السلام کا گوشت پوست بنا اور لعاب دہن رسالت سے حسین علیہ السلام پرورش پا کر کار رسالت انجام دینے کی صلاحیت کے مالک بنے یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریم سے بہت مشابہ تھے (نور الابصار ص ۱۱۳)۔

منجاب اللہ ولادت امام حسین علیہ السلام کی تہنیت اور تعزیت

علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے بعد خلاق عالم نے جبرئیل کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب محمد مصطفی کو میری طرف سے حسین علیہ السلام کی ولادت پر مبارک باد دیدو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شہادت عظمی سے بھی مطلع کر کے تعزیت ادا کر دو، جناب جبرئیل بحکم رب جلیل زمین پر وارد ہوئے اور انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں شہادت حسینؑ کی تعزیت بھی منجانب اللہ ادا کی جاتی ہے، یہ سن کر سرور کائنات کا ماتھا ٹھنکا اور آپ نے پوچھا، جبرئیل ماجرا کیا ہے تہنیت کے ساتھ تعزیت کی تفصیل بیان کرو، جبرئیل نے عرض کی کہ مولا ایک وہ دن ہوگا جس دن آپؐ کے چہیتے فرزند "حسین" کے گلوئے مبارک پر خنجر آبدار رکھا جائے گا اور آپ کا یہ نور نظر بے یار و مددگار میدان کربلا میں یکہ و تنہا تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگا یہ سن کر سرور عالم محو گریہ ہو گئے آپ کے رونے کی خبر جونہی امیر المومنین

کو پہنچی وہ بھی رونے لگے اور عالم گریہ میں داخل خانہ سیدہ ہو گئے۔

جناب سیدہ نے جو حضرت علی کو روتا دیکھا دل بے چین ہو گیا، عرض کی ابوالحسن رونے کا سبب کیا ہے فرمایا بنت رسول ابھی جبرئیل آئے ہیں اور وہ حسین علیہ السلام کی تہنیت کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت کی بھی خبر دے گئے ہیں حالات سے باخبر ہونے کے بعد فاطمہ کے گریہ گلوگیر ہو گیا، آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی بابا جان یہ کب ہو گا، فرمایا جب میں نہ ہوں گا نہ تو ہو گی نہ علی ہوں گے نہ حسن ہوں گے فاطمہ نے پوچھا بابا میرا بچہ کس خطا پر شہید ہو گا فرمایا فاطمہ بالکل بے جرم وخطا صرف اسلام کی حمایت میں شہادت ہو گی، فاطمہ نے عرض کی بابا جان جب ہم میں سے کوئی نہ ہو گا تو پھر اس پر گریہ کون کرے گا اور اس کی صف ماتم کون بچھائے گا، راوی کا بیان ہے کہ اس سوال کا حضرت رسول کریم ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ہاتف غیبی کی آواز آئی، اے فاطمہ غم نہ کرو تمہارے اس فرزند کا غم ابدالآباد تک منایا جائے گا اور اس کا ماتم قیامت تک جاری رہے گا ایک روایت میں ہے کہ رسول خدا نے فاطمہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ خدا کچھ لوگوں کو ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جس کے بوڑھے بوڑھوں پر اور جوان جوانوں پر اور بچے بچوں پر اور عورتیں عورتوں پر گریہ وزاری کرتے رہیں گے۔

مختصر فضائل امام حسین علیہ السلام

فطرس کا واقعہ

علامہ مذکور بحوالہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ اسی تہنیت کے سلسلہ میں جناب جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف آرہے تھے کہ ناگاہ ان کی نظر زمین کے ایک غیر معروف طبقہ پر پڑی دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین پر پڑا ہوا زاروقطار رو رہا ہے آپ اس کے قریب گئے اور آپ نے اس سے ماجرا پوچھا اس نے کہا اے جبرئیل میں وہی فرشتہ ہوں جو پہلے آسمان پر ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرتا تھا میرا نام فطرس ہے جبرئیل نے پوچھا تجھے کس جرم کی یہ سزا ملی ہے اس نے عرض کی، مرضی معبود کے سمجھنے میں ایک پل کی دیر کی تھی جس کی یہ سزا بھگت رہا ہوں بال و پر جل گئے ہیں یہاں کنج تنہائی میں پڑا ہوں۔

اے جبرئیل خدارا میری کچھ مدد کرو ابھی جبرئیل جواب نہ دینے پائے تھے کہ اس نے سوال کیا اے روح الامین آپ کہاں جارہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام حسین علیہ السلام ہے میں خدا کی طرف سے اس کی ادائے تہنیت کے لیے جارہا ہوں، فطرس نے عرض کی اے جبرئیل خدا کے لیے مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلو مجھے اسی در سے شفا اور نجات مل سکتی ہے جبرئیل اسے ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام حسین علیہ السلام آغوش رسول میں جلوہ فرما تھے جبرئیل نے عرض حال کیا، سرور کائنات نے فرمایا کہ فطرس کے جسم کو حسین علیہ السلام کے بدن سے مس کردو ،شفا ہو جائے گی جبرئیل نے ایسا ہی کیا اور فطرس کے بال و پر اسی طرح روئیدہ ہو گیے جس طرح

پہلے تھے۔

وہ صحت پانے کے بعد فخر و مباہات کرتا ہوا اپنی منزل "اصلی" آسمان سوم پر جا پہنچا اور مثل سابق ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرنے لگا، بعد از شہادت حسین علیہ السلام چوں برآں قضیہ مطلع شد" یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں امام حسین علیہ السلام نے شہادت پائی اور اسے حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہ احدیت میں عرض کی مالک مجھے اجازت دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنان حسین علیہ السلام سے جنگ کروں ارشاد ہوا کہ جنگ کی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جا اور ان کی قبر مبارک پر صبح و شام گریہ ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو اسے ان کے رونے والوں کے لیے ہبہ کردے چنانچہ فطرس زمین کربلا پر جا پہنچا اور تا قیام قیامت شب و روز روتا رہے گا (روضۃ الشہداء ص ۲۳۶ تا ص ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ وغنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی)۔

امام حسین علیہ السلام سینہ رسول پر

صحابی رسول ابوہریرہ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ رسول کریم لیٹے ہوئے اور امام حسین علیہ السلام نہایت کمسنی کے عالم میں ان کے سینہ مبارک پر ہیں، ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں اے حسین علیہ السلام تو میرے سینے پر کود چنانچہ امام حسین علیہ السلام آپ کے سینہ مبارک پر کودنے لگے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پالنے والے میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت امام حسین علیہ السلام کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چوستے تھے جس طرح کھجور کوئی چوسے (ارجح المطالب ص ۳۵۹

وص ۳۶۱، استیعاب ج ۱ ص ۱۴۴، اصابہ جلد ۲ ص ۱۱، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۴، کنوز الحقائق ص ۵۹)۔

جنت کے کپڑے اور فرزندان رسول کی عید

امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کا بچپنا ہے عید آنے والی ہے اور ان اسخیائے عالم کے گھر میں نئے کپڑے کا کیا ذکر پرانے کپڑے بلکہ نان جویں تک نہیں ہے بچوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں مادر گرامی اطفال مدینہ عید کے دن زرق برق کپڑے پہن کر نکلیں گے اور ہمارے پاس بالکل لباس تو نہیں ہے ہم کس طرح عید منائیں گے ماں نے کہا بچو گھبراؤ نہیں تمہارے کپڑے درزی لائے گا عید کی رات آئی بچوں نے ماں سے پھر کپڑوں کا تقاضا کیا، ماں نے وہی جواب دے کر نونہالوں کو خاموش کر دیا۔

ابھی صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص نے دق الباب کیا، دروازہ کھٹکھٹایا فضہ دروازہ پر گئیں ایک شخص نے ایک بقچہ لباس دیا، فضہ نے سیدہ عالم کی خدمت میں اسے پیش کیا اب جو کھولا تو اس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے دو قبائیں، دو عبائیں غرضیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے ماں کا دل باغ باغ ہو گیا وہ تو سمجھ گئیں کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا بچوں کو جگایا کپڑے دیئے صبح ہوئی بچوں نے جب کپڑوں کے رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادر گرامی یہ تو سفید کپڑے ہیں اطفال مدینہ رنگین کپڑے پہنے ہوں گے، امام جان ہمیں رنگین کپڑے چاہئیں۔

حضور انور کو اطلاع ملی تشریف لائے، فرمایا گھبراؤ نہیں تمہارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہو جائیں گے اتنے میں جبرئیل آفتابہ لیے ہوئے آپہنچے انہوں نے پانی ڈالا محمد مصطفی کے

ارادے سے کپڑے سبز اور سرخ ہو گئے سبز جوڑا حسن نے پہنا سرخ جوڑا حسین علیہ السلام نے زیب تن کیا، ماں نے گلے لگا لیا باپ نے بوسے دیئے نانا نے اپنی پشت پر سوار کر کے مہار کے بدلے زلفیں ہاتھوں میں دیدیں اور کہا، میرے نونہالو، رسالت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں ہے جدھر چاہو موڑ دو اور جہاں چاہو لے چلو (روضۃ الشہداء ص ۱۸۹ بحار الانوار)۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ سرور کائنات بچوں کو پشت پر بٹھا کر دونوں ہاتھوں اور پیروں سے چلنے لگے اور بچوں کی فرمائش پر اونٹ کی آواز منہ سے نکالنے لگے (کشف المحجوب)۔

امام حسین علیہ السلام کا سردار جنت ہونا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مسلمات اور متواترات سے ہے کہ

-الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة وابوهما خير منهما-

حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بہتر ہیں (ابن ماجہ) صحابی رسول جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا مسرور دیکھ کر پوچھا حضور، افراط مسرت کی کیا وجہ ہے فرمایا اے حذیفہ آج ایک ایسا ملک نازل ہوا ہے جو میرے پاس اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا اس نے مجھے میرے بچوں کی سرداری جنت پر مبارک دی ہے اور کہا ہے کہ

-ان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة-

فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنین جنت کے مردوں کے سردار ہیں (کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۲۳، اسد الغابہ ص ۱۲، اصابہ جلد ۲ ص ۱۲، ترمذی شریف، مطالب السول ص ۲۴۲، صواعق محرقہ ص ۱۱۴)۔

اس حدیث سے سیادت علویہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا قطع نظر اس سے کہ حضرت علی میں مثل نبی سیادت کا ذاتی شرف موجود تھا اور خود سرور کائنات نے بار بار آپ کی سیادت کی تصدیق سید العرب، سید المتقین، سید المومنین وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمائی ہے حضرت علی کا سرداران جنت امام حسن اور امام حسین علیہ السلام سے بہتر ہونا واضح کرتا ہے کہ آپ کی سیادت مسلم ہی نہیں بلکہ بہت بلند درجہ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک جملہ اولاد علی سید ہیں یہ اور بات ہے کہ بنی فاطمہ کے برابر نہیں ہیں۔

امام حسین علیہ السلام عالم نماز میں پشت رسولؐ پر

خدا نے جو شرف امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے وہ اولاد رسول اور فرزندان علی میں آل محمد کے سوا کسی کو نصیب نہیں ان حضرات کا ذکر عبادت اور ان کی محبت عبادت، یہ حضرات اگر پشت رسول پر عالم نماز میں سوار ہو جائیں، تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالان رسالت پشت پر عالم نماز میں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرنا چاہتا تھا تو آپ اشارہ سے روک دیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدہ میں اس وقت تک مشغول ذکر رہا کرتے تھے جب تک بچے آپ کی پشت سے خود نہ اتر آئیں آپ فرمایا کرتے تھے خدایا میں انہیں دوست رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر؟ کبھی ارشاد ہوتا تھا اے دنیا والو! اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو (اصابہ ص ۱۲ جلد ۲ و مستدرک امام حاکم و مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

حدیث حسین منی

سرورکائنات نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے دنیا والو! بس مختصر یہ سمجھ لو کہ "حسین منی وانا من الحسین" حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسین کو دوست رکھے (مطالب السؤل ص ۲۴۲ ،صواعق محرقہ ص ۱۱۴ ،نورالابصار ص ۱۱۳ ،صحیح ترمذی جلد ۶ ص ۳۰۷ ،مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص ۱۷۷ ومسند احمد جلد ۴ ص ۱۷۲، ۹، اسدالغابہ جلد ۲ ص ۱۹، کنزالعمال جلد ۴ ص ۲۲۱)۔

مکتوبات باب جنت

سرورکائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شب معراج جب میں سیر آسمانی کرتا ہوا جنت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باب جنت پر سونے کے حروف میں لکھا ہوا ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد حبیب اللہ علی ولی اللہ وفاطمۃ امۃ اللہ والحسن والحسین صفوۃ اللہ ومن ابغضھم لعنہ اللہ۔

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں علی، اللہ کے ولی ہیں۔ فاطمہ اللہ کی کنیز ہیں، حسن اور حسین اللہ کے برگزیدہ ہیں اوران سے بغض رکھنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے (ارجح المطالب باب ۳ ص ۳۱۳ طبع لاہور ۱۲۵۱)

امام حسین علیہ السلام اور صفات حسنہ کی مرکزیت

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسین علیہ السلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے، حضرت علی وفاطمہ کے بیٹے اور امام حسن کے بھائی تھے اور انہیں حضرات کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے اور امام حسین علیہ السلام پنجتن کے آخری فرد ہیں یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے گزرنے والے کے لیے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، امام حسین علیہ السلام ۳/شعبان ۴ ہجری کو پیدا ہو کر سرور کائنات کی پرورش و پرداخت اور آغوش مادر میں میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے، ۲۸/صفر ۱۱ ہجری کو جب آنحضرت شہادت پا گئے اور ۳/جمادی الثانیہ کو ماں کی برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علی نے تعلیمات الہیہ اور صفات حسنہ سے بہرہ ور کیا ۲۱/رمضان ۴۰ ہجری کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی، اما حسن ہر قسم کی استمداد و استعانت خاندانی اور فیضان باری میں برابر کے شریک رہے، ۲۸/صفر ۵۰ ہجری کو جب امام حسن شہید ہو گئے تو امام حسین علیہ السلام صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے، یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرز حیات میں محمد وعلی وفاطمہ اور حسن کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کچھ کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا، کتب مقاتل میں ہے کہ کربلا میں جب امام حسین علیہ السلام رخصت آخری کے لیے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینب نے فرمایا تھا کہ اے خاص آل عبا آج تمہاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفی، علی مرتضی، فاطمۃ الزہراء، حسن مجتبی ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

حضرت عمر کا اعتراف شرف آل محمد

عہد عمری میں اگرچہ پیغمبر اسلام کی آنکھیں بند ہو چکی تھی اور لوگ محمد مصطفی کی خدمت

اور تعلیمات کو پس پشت ڈال چکے تھے لیکن پھر بھی کبھی کبھی "حق برزبان جاری" کے مطابق عوام کچی باتیں سن ہی لیا کرتے تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر منبر رسول پر خطبہ فرما رہے تھے ناگاہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر بولے "انزل عن منبر ابی" میرے باپ کے منبر سے اتر آیئے اور جایئے اپنے باپ کے منبر پر بیٹھے آپ نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے اس کے بعد منبر سے اتر کر امام حسین علیہ السلام کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے اور وہاں پہنچ کر پوچھا کہ صاحب زادے تمہیں یہ بات کس نے سکھائی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے سے کہا ہے، مجھے کسی نے سکھایا نہیں اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، کبھی کبھی آیا کرو آپ نے فرمایا بہتر ہے ایک دن آپ تشریف لے گئے تو حضرت عمر کو معاویہ سے تنہائی میں محو گفتگو پا کر واپس چلے گئے۔۔۔۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا اور راستے میں ایک دن ملاقات پر کہا کہ آپ واپس کیوں چلے آئے تھے فرمایا کہ آپ محو گفتگو تھے اس لیے میں نے عبداللہ (ابن عمر) کے ہمراہ واپس آیا حضرت عمر نے کہا کہ "فرزند رسول میرے بیٹے سے زیادہ تمہارا حق ہے" فانما انت ماتری فی روسنا اللہ ثم انتم" اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میرا وجود تمہارے صدقہ میں ہے اور میرا رواں تمہارے طفیل سے اگا ہے (اصابہ ج ۲ ص ۲۵، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۷، ازالۃ الخفاء)۔

ابن عمر کا اعتراف شرف حسینی

ابن حریب راوی ہیں کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سامنے سے آتے ہوئے دکھائی

دیئے ابن عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص یعنی امام حسین علیہ السلام اہل آسمان نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہیں۔

مختصر سیرت امام حسین علیہ السلام

کرم حسینؑ کی ایک مثال

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں زیر آیۃ "علم آدم الاسماء کلہا" لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی نے خدمت امام حسین علیہ السلام میں حاضر ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں نے آپ کے جد نامدار سے سنا ہے کہ جب کچھ مانگنا ہو تو چار قسم کے لوگوں سے مانگو: ۱۔ شریف عرب سے ۲۔ کریم حاکم سے ۳۔ حامل قرآن سے ۴۔ حسین شکل والے سے۔

میں آپ میں یہ جملہ صفات پاتا ہوں اس لیے مانگ رہا ہوں آپ شریف عرب ہیں آپ کے نانا عربی ہیں آپ کریم ہیں، کیونکہ آپ کی سیرت ہی کرم ہے، قرآن پاک آپ کے گھر میں نازل ہوا ہے آپ صبیح وحسین ہیں، رسول خدا کا ارشاد ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہے وہ حسن اور حسین کو دیکھے، لہٰذا عرض ہے کہ مجھے عطیہ سے سرفراز فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ جد نامدار نے فرمایا ہے کہ "المعروف بقدر المعرفۃ" معرفت کے مطابق عطیہ دینا چاہئے، تو میرے سوالات کا جواب دے۔ بتا:

سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ ہلاکت سے نجات

کا ذریعہ ہے؟ اس نے کہا اللہ پر بھروسہ کرنا۔ ۳۔ مرد کی زینت کیا ہے؟ کہا "علم معہ حلم" ایسا علم جس کے ساتھ حلم ہو، آپ نے فرمایا درست ہے اس کے بعد آپ ہنس پڑے۔ ورمی بالصرۃ الیہ اور ایک بڑا کیسہ اس کے سامنے ڈال دیا۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ جلد ۳ ص ۲۶۸)۔

امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لیے رسول کریم کا حکم

انس بن حارث کا بیان ہے جو کہ صحابی رسول اور اصحاب صفہ میں سے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دن رسول خدا کی گود میں تھے اور وہ ان کو پیار کر رہے تھے، اسی دوران میں فرمایا، ان ابنی ہذا یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد ذالک منکم فلینصرہ" کہ میرا یہ فرزند حسین اس زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے دیکھو تم میں سے اس وقت جو بھی موجود ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ انس بن حارث جو کہ اس وقت موجود تھے وہ امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے (اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۲۳ و ۳۴۹، اصابہ جلد ۱ ص ۶۸، کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲۳، ذخائر العقبی محب طبری ص ۱۴۶)۔

امام حسین علیہ السلام کی عبادت

علماء و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام زبردست عبادت گزار تھے آپ شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے تھے اور انواع و اقسام عبادات سے سرفراز ہوتے تھے آپ نے پچیس حج پاپیادہ کئے اور یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرمائے تھے، عراق میں قیام کے دوران آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کسی حج کا موقع نہیں مل سکا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷)۔

امام حسین علیہ السلام کی سخاوت

مسند امام رضا ص ۳۵ میں ہے کہ سخی دنیا کے لوگوں کے سردار اور متقی آخرت کے لوگوں کے سردار ہوتے ہیں امام حسین علیہ السلام سخی ایسے تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے کہ جن کی مثال نہیں، علماء کا بیان ہے کہ اسامہ ابن زید صحابی رسول علیل تھے امام حسین علیہ السلام انھیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں، پوچھا، اے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے "واغماہ" کیوں کہتے ہو، عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں آپ نے فرمایا کہ گھبراو نہیں اسے میں ادا کردوں گا چنانچہ آپ نے ان کی زندگی میں ہی انہیں قرضے کے بارسے سبکدوش فرمادیا۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی شہر میں آیا اور اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کا نام لیا، اس نے حاضر خدمت ہوکر بذریعہ اشعار سوال کیا، حضرت نے چار ہزار اشرفیاں عنایت فرمادیں، اس نے شعیب خزاعی کا کہنا ہے کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کی پشت پر بار برداری کے گھٹے دیکھے گئے جس کی وضاحت امام زین العابدین نے یہ فرمائی تھی کہ آپ اپنی پشت پر لاد کر اشرفیاں اور غلوں کے گٹھر بیواؤں اور یتیموں کے گھر رات کے وقت پہنچایا کرتے تھے کتابوں میں ہے کہ آپ کے ایک غیر معصوم فرزند کو عبدالرحمن سلمی نے سورہ حمد کی تعلیم دی، آپ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں عنایت فرمائیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۷۴)۔

امام شبلنجی اور علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے نورالابصار اور مطالب السؤل میں ایک اہم واقعہ آپ کی صفت سخاوت کے متعلق تحریر کیا ہے جسے ہم امام حسن کے حال میں لکھ آئے ہیں کیونکہ اس واقعہ سخاوت میں وہ بھی شریک تھے۔

جنگ صفین میں امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد

اگرچہ مورخین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ امام حسین علیہ السلام عہد امیر المومنین کے ہر معرکہ میں موجود رہے، لیکن محض اس خیال سے کہ یہ رسول اکرم کی خاص امانت ہیں انہیں کسی جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی (نور الحسینیہ ص ۴۴)۔

لیکن علامہ شیخ مہدی مازندرانی کی تحقیق کے مطابق آپ نے بندش آپ توڑنے کے لیے مقام صفین میں نبرد آزمائی فرمائی تھی (شجرہ طوبیٰ طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ھ و بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۵۷ طبع ایران)۔

علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے (کبریت الاحمر ص ۲۵ و ذکر العباس ص ۲۶)۔

امام حسین علیہ السلام اور تحریک کربلا

حضرت امام حسین علیہ السلام گرداب مصائب میں واقعہ کربلا کا آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات سے لے کر امام حسن کی حیات کے آخری ایام تک بحر مصائب وآلام کے ساحل سے کھیلتے ہوئے زندگی کے اس عہد میں داخل ہوئے جس کے بعد آپ کے علاوہ پنجتن میں کوئی باقی نہ رہا تو آپ کا سفینہ حیات خود گرداب مصائب میں آ گیا امام حسن کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر جدوجہد یہی رہی کہ کسی طرح امام حسین علیہ السلام کا چراغ زندگی بھی اسی طرح گل کر دے، جس طرح حضرت علی اور امام حسن کی شمع حیات بجھا چکا ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کا داؤں کرتا رہا اور اس سے کا مقصد صرف یہ تھا کہ یزید کی خلافت کے منصوبہ کو پروان چڑھائے ، بالآخر اس نے ۵۶ ء میں ایک ہزار کی جمعیت سمیت یزید کے لیے بیعت لینے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔

وہاں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس نے بیعت یزید کا ذکر کیا، آپ نے صاف لفظوں میں اس کی بدکرداری کا حوالہ دے کر انکار کر دیا، معاویہ کو آپ کا انکار کھلا تو بہت زیادہ لیکن چند الٹے سیدھے الفاظ کہنے کے سوا اور کچھ کر نہ سکا اس کے بعد مدینہ اور پھر مکہ میں بیعت

یزید لے کر شام کو واپس چلا گیا۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے جب مدینہ میں بیعت کا سوال اٹھایا تو حسین بن علی، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر نے بیعت یزید سے انکار کر دیا اس نے بڑی کوشش کی لیکن یہ لوگ نہ مانے اور رفع فتنہ کے لیے امام حسین علیہ السلام کے علاوہ سب مدینہ سے چلے گئے۔

معاویہ ان کے پیچھے مکہ پہنچا اور وہاں ان پر دباؤ ڈالا لیکن کامیاب نہ ہوا، آخر کار شام واپس چلا گیا (روضۃ الشہداء ص ۲۳۴)۔

معاویہ بڑی تیزی کی ساتھ بیعت لیتا رہا اور بقول علامہ ابن قتیبہ اس سلسلہ میں اس نے ٹکوں میں لوگوں کے دین بھی خرید لیے، الغرض رجب ۶۰ھ میں معاویہ رخت سفر باندھ کر دنیا سے چلا گیا، یزید جو اپنے باپ کے مشن کو کامیاب کرنا ضروری سمجھتا تھا سب سے پہلے مدینہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے وہاں کے والی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین علیہ السلام، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر سے میری بیعت لے لے، اور اگر یہ انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے، ابن عقبہ نے مروان سے مشورہ کیا اس نے کہا کہ سب بیعت کر لیں گے لیکن امام حسین علیہ السلام ہرگز بیعت نہ کریں گے اور تجھے ان کے ساتھ پوری سختی کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک شخص (عبدالرحمن بن عمر بن عثمان) کو امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا، قاصد جس وقت پہنچا دونوں مسجد میں محو گفتگو تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم چلو ہم آتے ہیں، قاصد واپس چلا گیا اور یہ دونوں آپ میں بلانے کے سبب پر تبادلہ خیالات کرنے لگے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے جس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ معاویہ نے انتقال کیا اور یہ ہمیں بیعت یزید کے لیے بلا رہا ہے ابھی یہ حضرات جانے نہ پائے تھے کہ قاصد پھر آ گیا اور اس نے کہا کہ

ولید آپ حضرات کے انتظار میں ہے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ جلدی کیا ہے جا کر کہہ دو کہ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام دولت سرا میں تشریف لائے اور ۳۰ بہادروں کو ہمراہ لے کر ولید سے ملنے کا قصد فرمایا آپ داخل دربار ہو گئے اور بہادران بنی ہاشم بیرون خانہ درباری حالات کا مطالعہ کرتے رہے ولید نے امام حسین علیہ السلام کی مکمل تعظیم کی اور خبر مرگ معاویہ سنانے کے بعد بیعت کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ مسئلہ سوچ بچار کا ہے تم لوگوں کو جمع کرو اور مجھے بھی بلالو میں "علی روس الاشہاد" یعنی عام مجمع میں اظہار خیال کروں گا۔

ولید نے کہا بہتر ہے، پھر کل تشریف لایئے گا ابھی آپ جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ مروان بول اٹھا اے ولید اگر حسین اس وقت تیرے قبضہ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے ان کو اسی وقت مجبور کر دے اور ابھی ابھی بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو حکم یزید کے مطابق سر تن سے اتار لے یہ سننا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو جلال آگیا آپ نے فرمایا "یا ابن الزرقا" کس میں دم ہے کہ حسین کو ہاتھ لگا سکے، تجھے نہیں معلوم کہ ہم آل محمد ہیں فرشتے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں ہمیں کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ہم یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت کرلیں، امام حسین علیہ السلام کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بہادران بنی ہاشم داخل دربار ہو گئے اور قریب تھا کہ زبردست ہنگامہ برپا کر دیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا اس کے بعد امام حسین علیہ السلام واپس دولت سرا تشریف لے گئے ولید نے سارا واقعہ یزید کو لکھ کر بھیج دیا اس نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے جواب میں امام حسین علیہ السلام کا سر بھیج دو، ولید نے یزید کا خط امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ فرزند رسول، میں یزید کے کہنے پر کسی صورت سے عمل نہیں کر سکتا لیکن آپ کو باخبر کرتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ یزید آپ کے خون بہانے کے درپے ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے صبر کے ساتھ حالات پر غور کیا اور نانا کے روضہ پر جا کر درد دل بیان فرمایا اور بے اختیار روئے، صبح صادق کے قریب مکان واپس آئے دوسری رات کو پھر روضہ رسول پر تشریف لے گئے اور مناجات کے بعد روتے روتے سو گئے خواب میں آنحضرت کو دیکھا کہ آپ حسین کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نور نظر عنقریب امت تمہیں شہید کر دے گی بیٹا تم بھوکے پیاسے ہوگے تم فریاد کرتے ہوگے اور کوئی تمہاری فریادرسی نہ کرے گا امام حسین علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی آپ دولت سرا واپس تشریف لائے اور اپنے اعزا کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں مدینہ کو چھوڑ دوں ،ترک وطن کا فیصلہ کرنے کے بعد روضہ امام حسن اور مزار جناب سیدہ پر تشریف لے گئے بھائی سے رخصت ہوئے ماں کو سلام کیا قبر سے جواب سلام آیا، نانا کے روضہ پر رخصت آخری کے لیے تشریف لے گئے روتے روتے سو گئے سرور کائنات نے خواب میں صبر کی تلقین کی اور فرمایا بیٹا ہم تمہارے انتظار میں ہیں۔

علماء کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام ۲۸/ رجب ۶۰ ھ یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ سے بارادہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ "نفر لمکۃ خوفا علی نفسہ" امام حسین علیہ السلام جان کے خوف سے مکہ تشریف لے گئے (صواعق محرقہ ص ۷۴)۔

آپ کے ساتھ تمام مخدرات عصمت وطہارت اور چھوٹے بچے تھے البتہ آپ کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا اور جن کی عمر اس وقت ۷/ سال تھی بوجہ علالت شدیدہ ہمراہ نہ جاسکیں امام حسین علیہ السلام نے آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت عباس کی ماں جناب ام البنین کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضہ خدمت ام المومنین جناب ام سلمہ کے سپرد کر دیا تھا، آپ ۳/ شعبان ۶۰ ھ یوم جمعہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے آپ کے پہنچتے ہی والی مکہ سعید ابن عاص مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں سے یزید کو مکہ کے تمام حالات لکھے

اور بتایا کہ لوگوں کا رجحان امام حسین علیہ السلام کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کا جواب نہیں ، یزید نے یہ خبر پاتے ہی مکہ میں قتل حسین کی سازش پر غور کرنا شروع کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام مکہ معظمہ میں چار ماہ شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ مقیم رہے یزید جو بہر صورت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا اس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حسین اگر مدینہ سے بچ کر نکل گئے ہیں تو مکہ میں قتل ہو جائیں اور اگر مکہ سے بچ نکلیں تو کوفہ پہنچ کر شہید ہو سکیں، یہ انتظام کیا کہ کوفے سے ۱۲ ہزار خطوط دوران قیام مکہ میں بھجوائے کیونکہ دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ حسین کوفہ میں آسانی سے قتل کئے جا سکیں گے، نہ یہاں کے باشندوں میں عقیدہ کا سوال ہے اور نہ عقیدت کا یہ فوجی لوگ ہیں ان کی عقلیں بھی موٹی ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ شہادت حسین سے قبل جب تک جتنے افسر بھیجے گئے وہ محض اس غرض سے بھیجے جاتے رہے کہ حسین کو گرفتار کر کے کوفہ لے جائیں (کشف الغمہ ص ۶۸)۔

اور ایک عظیم لشکر مکہ میں شہید کئے جانے کے لیے ارسال کیا اور ۳۰ / خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھجوا دیا جس کا قائد عمر ابن سعد تھا (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۱، منتخب طریحی خلاصۃ المصائب ص ۱۵۰، ذکر العباس ص ۱۲۲)۔

عبدالحمید خان ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں کہ "اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو پائیں قتل کر ڈالیں (شہید اعظم ص ۷۱)۔

خطوط جو کوفہ سے آئے تھے انہیں شرعی رنگ دیا گیا تھا اور وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھیجے گئے تھے جن سے امام حسین علیہ السلام متعارف تھے شاہ عبدالعزیز دہلوی کا کہنا ہے کہ یہ خطوط "من کل طائفۃ و جماعۃ" ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے تھے (سر الشہادتین ص ۶۷)۔ علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ خطوط بھیجنے والے عام اہل کوفہ تھے (صواعق محرقہ ص ۱۱۷) ابن

جریر کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ میں ایک دو گھر کے علاوہ کوئی شیعہ نہ تھا (طبری) حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تفحص حالات کی خاطر جناب مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا۔

مکہ معظمہ میں امام حسین علیہ السلام کی جان نہ بچ سکی

یہ واقعہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے اس لے عازم مکہ ہوئے تھے کہ یہاں ان کی جان بچ جائے گی لیکن آپ کی جان لینے پر ایسا سفاک دشمن تلا ہوا تھا جس نے مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ میں بھی آپ کو محفوظ نہ رہنے دیا اور وہ وقت آ گیا کہ امام حسین علیہ السلام مقام امن کو محل خوف سمجھ کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ کو عالم حج وطواف میں قتل کر دیں۔

امام حسین علیہ السلام کو جیسے ہی سازش کا پتہ لگا، آپ نے فوراً حج کو عمرہ منفردہ سے بدلا اور ۸/ ذی الحجہ ۶۰ھ کو جناب مسلم کے خط پر بھروسہ کر کے عازم کوفہ ہو گئے ابھی آپ روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ اعزاء و اقربا نے کمال ہمدردی کے ساتھ التوائے سفر کوفہ کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ گر چیونٹی کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو بھی ضرور قتل کیا جاؤں گا اور سنو میرے نانا نے فرمایا ہے کہ حرمت مکہ ایک دنبہ کے قتل سے برباد ہو گی میں ڈرتا ہوں کہ وہ دنبہ میں ہی نہ قرار پاؤں میری خواہش ہے کہ میں مکہ سے باہر چاہے ایک ہی بالشت پر کیوں نہ ہوں قتل کیا جاؤں گا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۰، ینابیع المودۃ ص ۲۳۷، صواعق محرقہ ص ۱۱۷)۔

یہ واقعہ ہے کہ یزید کا ارادہ بہر صورت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا اور استیصال بنی فاطمہ تھا۔ (کشف الغمہ ص ۸۷)۔

یہی وجہ ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کی اطلاع والی عمر بن سعید کو ہوئی تو اس نے پوری طاقت سے آپ کو واپس لانے کی سعی کی اور اسی سلسلہ میں نے یحییٰ بن سعید ابن العاص کو ایک گروہ کے ساتھ آپ کو روکنے کے لیے بھیج دیا "فقالوا لہ انصر این تذہب" ان لوگوں نے آپ کو روکا اور کہا کہ آپ یہاں سے کہاں نکلے جا رہے ہیں فوراً لوٹیے، آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ روکنا معمولی نہ تھا بلکہ ایسا تھا جس میں مار پیٹ کی بھی نوبت آئی (دمعۃ ساکبۃ ص ۳۱۶) مقصد یہ ہے کہ والی مکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اسکے حدود اقتدار سے نکل جائیں اور یزید کے منشاء کو پورا نہ کر سکے کیونکہ اس کے پیش نظر والی مدینہ کی برطرفی یا تعطل تھا، وہ دیکھ چکا تھا کہ حسین کے مدینہ سے سالم نکل آنے پر والی مدینہ برطرف کر دیا گیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے روانگی

الغرض امام حسین علیہ السلام اپنے جملہ اعزاء واقرباء اور انصار جان نثار کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد بقول امام شبلنجی ۸۲ تھی مکہ سے روانہ ہو گئے آپ جس وقت منزل صفاح پر پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی وہ کوفہ سے آ رہا تھا استفسار پر اس نے بتایا کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہوں لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں آپ نے اپنی روانگی کے وجوہ بیان فرمائے اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پھر منزل حاجز کے ایک چشمہ پر اترے وہاں عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی کوفیوں کی بے پروائی کا ذکر کیا، اسکے بعد آپ منزل بطن الرمہ پہنچے اور وہاں سے منزل ذات العرق میں ڈیرہ ڈالا، وہاں شخص بشیر بن غالب سے ملاقات ہوئی اس نے بھی کوفیوں کی غداری کا تذکرہ کیا۔

پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے ایک مقام پر ایک خیمہ نصب دیکھا پوچھا اس جگہ کون ٹھہرا ہے معلوم ہو کہ زہیر ابن القین، آپ نے انہیں بلوا بھیجا، جب وہ آئے تو آپ نے اپنی حمایت کا ذکر کیا انہوں نے قبول کر کے اپنی بیوی کو بروائتے اپنے بھائی کے ہمراہ گھر روانہ کر دیا اور خود امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے، پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل "زبالہ" میں پہنچے وہاں آپ کو حضرت مسلم وہانی اور محمد بن کثیر اور عبداللہ بن یقطر جیسے دلیروں کی شہادت کی خبر ملی آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا اور داخل خیمہ ہو کر حضرت مسلم کی بچیوں کو کمال محبت کے ساتھ پیار کیا اور بے اختیار روئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا قتل یقینی ہے، میں تم لوگوں کی گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں تمہارا جدھر جی چاہے چلے جاؤ، دنیادار تو واپس ہو گئے، لیکن سب دیندار ہم رکاب ہی رہے۔

پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل قصر بنی مقاتل پر اترے وہاں عبداللہ ابن حر جعفی سے ملاقات ہوئی آپ کے اصرار کے باوجود وہ بقول واعظ کاشفی آپ کے ہمرکاب نہ ہوا پھر منزل ثعلبیہ پر پہنچے، وہاں جناب زینب کی آغوش میں سر رکھ کے سو گئے خواب میں رسول خدا کو دیکھا کہ وہ بلا رہے ہیں آپ رو پڑے، ام کلثوم نے سبب گریہ پوچھا آپ نے خواب کا حوالہ دیا اور خاندان کی تباہی کا تاثر ظاہر فرمایا، علی اکبر نے عرض کی بابا ہم حق پر ہیں ہمیں موت سے ڈر نہیں۔

اس کے بعد آپ نے منزل قطقطانیہ پر خطبہ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ بنی سکون میں ٹھہرے آپ کی یہاں سکونت کی اطلاع ابن زیادہ کو دی گئی اس نے ایک ہزار یا دو ہزار کے لشکر سمیت حر بن یزید ریاحی کو امام حسین علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا امام حسین علیہ السلام اپنی قیام گاہ سے نکل کر کوفہ کی طرف بدستور روانہ ہو گئے راستے میں بنی عکرمہ کا ایک شخص ملا، اس نے کہا قادسیہ سے غدیب تک ساری زمین لشکر سے پٹی پڑی ہے آپ نے اسے دعائے خیر دی

اور خود آگے بڑھ کر "منزل شراف" پر قیام کیا وہاں آپ نے محرم ۶۱ ھ کا چاند دیکھا اور آپ رات گذار کر علی الصباح روانہ ہو گئے۔

حر بن یزید ریاحی

صبح کا وقت گزر رہا دو پہر آئی لشکر حسین بادیہ پیمائی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی حسین نے تکبیر کہی لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ مجھے کوفہ کی سمت خرمے اور کیلے کے درخت جیسے نظر آرہے ہیں یہ سن کر لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ بن جنگل میں درخت کہاں، اس طرف غور سے دیکھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں امام نے فرمایا کہ دشمن آرہے ہیں لہٰذا منزل ذو حسب یا ذو حسم کی طرف مڑ چلو، لشکر حسین نے رخ بدلا اور لشکر حر نے تیز رفتاری اختیار کی بالآخر سامنے آپہنچا اور بروایتے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا یہ دیکھ کر حضرت عباس آگے بڑھے اور فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے "ما ترید" کیا چاہتا ہے (ماتین) ص ۱۸۳)۔

مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ لشکر حر پیاس سے بے چین تھا اس لیے ساقی کوثر کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ حر کے سواروں اور سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کردو، چنانچہ اچھی طرح سیرابی کر دی گئی اس کے بعد نماز ظہر کی اذان ہوئی حر نے امام حسین علیہ السلام کی قیادت میں نماز ادا کی اور یہ بتایا کہ ہمیں آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کریں، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ میں گرفتار ہو کر خاموشی کے ساتھ کوفہ میں قتل کر دیا جاؤں۔

پھر اس نے تنہائی میں رائے دی کہ چپکے سے رات کے وقت کسی طرف نکل جایئے آپ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ایک راستے پر آپ چل پڑے جب صبح ہوئی تو پھر حر کو تعاقب

کرتے دیکھے اور پوچھا کہ اب کیا بات ہے اس نے کہا مولا کسی جاسوس نے ابن زیاد سے غمازی کردی ہے چنانچہ اب اس کا حکم یہ آگیا ہے کہ میں آپ کو بے آب وگیاہ جنگل میں روک لوں گفتگو کے ساتھ ساتھ رفتار بھی جاری تھی کہ ناگاہ امام حسین علیہ السلام کے گھوڑے نے قدم روکے، آپ نے لوگوں سے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں کہا گیا کربلا آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ یہیں پر ڈیرے ڈال دو اور یہیں خیمے لگا دو کیونکہ قضائے الٰہی یہیں ہمارے گلے ملے گی (نور الابصار ص ۱۱۷، مطالب السؤل ص ۲۵۷، طبری جلد ۳ ص ۴۰۷، کامل جلد ۴ ص ۲۶، ابو الفدا ج ۲ ص ۲۰۱، روضۃ الشہدا ص ۳۳۰، اخبار الطوال ص ۲۵۰، ابن الوردی جلد ۱ ص ۱۷۴، ناسخ جلد ۶ ص ۲۱۹، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۸۶)۔

کربلا میں ورود

۲ /محرم الحرام ۶۱ ھ یوم پنجشنبہ کو امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے نور العین ص ۴۶ حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۱۵۱ مطالب السؤل ص ۲۵۰، ارشاد مفید، روضۃ الشہدا ص ۳۲۱۔

واعظ کاشفی اور علامہ اربلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسین علیہ السلام نے زمین کربلا پر قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی اور ایک ایسا غبار اٹھا جس سے آپ کے چہرۂ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے، یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے اور جناب ام کلثوم رونے لگیں (کشف الغمہ ص ۶۹ روضۃ الشہدا ص ۳۰۱)۔

صاحب مخزن البکا لکھتے ہیں کہ کربلا پر ورود کے فوراً بعد جناب ام کلثوم نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کی، بھائی جان یہ کیسی زمین ہے کہ اس جگہ ہمارے دل دہل رہے ہیں امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بس یہ وہی مقام ہے جہاں بابا جان نے صفین کے سفر میں خواب دیکھا تھا

یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارا خون بہے گا، کتاب ماتین میں ہے کہ اسی دن ایک صحابی نے ایک بیری کے درخت سے مسواک کے لیے شاخ کاٹی تو اس سے خون تازہ جاری ہو گیا۔

امام حسین علیہ السلام کا خط اہل کوفہ کے نام

کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اتمام حجت کے لیے اہل کوفہ کے نام قیس ابن مسہر کے ذریعہ سے ایک ارسال فرمایا، جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تمہاری دعوت پر میں کربلا تک آ گیا ہوں، الخ۔ قیس خط لیے جا رہے تھے کہ راستے میں گرفتار کر لیے گئے اور انہیں ابن زیاد کے سامنے کوفہ لے جا کر پیش کر دیا گیا، ابن زیاد نے خط مانگا قیس نے بروایتے چاک کر کے پھینک دیا اور بروایتے خط کو کھا لیا ابن زیاد نے انہیں بضرب تازیانہ شہید کر دیا (روضۃ الشہدا ص ۳۰۱، کشف الغمہ ص ۶۶)۔

عبید اللہ ابن زیاد کا خط امام حسین علیہ السلام کے نام

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے بعد حر نے ابن زیاد کو آپ کی رسیدگی کربلا کی خبر دی اس نے امام حسین علیہ السلام کو فوراً ایک خط ارسال کیا جس میں لکھا کہ مجھے یزید نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے اس کے لیے بیعت لے لوں، یا آپ کو قتل کر دوں، امام حسین علیہ السلام نے اس خط کا جواب نہ دیا "القاہ من یدہ" اور اسے زمین پر پھینک دیا (مطالب السؤل ص ۲۵۷، نور الابصار ص ۱۱۷)۔

اس کے بعد آپ نے محمد بن حنفیہ کو اپنے کربلا پہنچنے کی ایک خط کے ذریعہ سے اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے زندگی سے ہاتھ دھو لیا ہے اور عنقریب عروس موت سے ہم

کنار ہو جاؤں گا (جلاء العیون ص ۱۹۶)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام میدان جنگ میں

جب آپ کے بہتر اصحاب وانصار اور بنی ہاشم قربان گاہ اسلام پر چڑھ چکے تو آپ خود اپنی قربانی پیش کرنے لیے میدان کارزار میں آ پہنچے، لشکر یزید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، اصحاب باوفا اور بہادران بنی ہاشم کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکا تھا امام حسین علیہ السلام جب میدان میں پہنچے تو دشمنوں کے لشکر میں تیس ہزار سوار و پیادے باقی تھے، یعنی صرف ایک پیاسے کو تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا (کشف الغمہ)۔ میدان میں پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دشمنوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے کہا:

"اے ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ، میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو، تم جانتے ہو میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں، میرے بابا علی سابق الاسلام ہیں، میری ماں فاطمۃ الزہرا تمہارے نبی کی بیٹی ہیں اور تم جانتے ہو کہ میرے نانا رسول اللہ نے مجھے اور میرے بھائی حسن کو سردار جوانان بہشت فرمایا ہے، افسوس تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسول کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خون ناحق پر آمادہ ہوتے ہو، حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے نہ کسی کا مال چھینا ہے کہ جس کے بدلے میں تم مجھ کو قتل کرتے ہو، میں تو دنیا سے بے تعلق اپنے نانا رسول کی قبر پر مجاور بیٹھا تھا تم نے مجھے ہدایت کے لیے بلایا اور مجھے نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا نہ خدا کے گھر میں رہنے دیا، سنو اب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا موقع دے دو، کہ میں نانا کی قبر پر جا بیٹھوں یا خانہ خدا میں پناہ لے لوں۔

اس کے بعد آپ نے اتمام حجت کے لیے عمر سعد کو بلایا اور اس سے فرمایا تم میرے قتل

سے باز آؤ ۲۔ مجھے پانی دیدو ۳۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر میرے مقابلہ کے لیے ایک ایک شخص کو بھیجو۔

اس نے جواب دیا آپ کی تیسری درخواست منظور کی جاتی ہے اور آپ سے لڑنے کے لیے ایک ایک شخص مقابلہ میں آئے گا۔ (روضۃ الشہداء)۔

امام حسین علیہ السلام کی نبرد آزمائی

معاہدہ کے مطابق آپ سے لڑنے کے لیے شام سے ایک ایک شخص آنے لگا اور آپ اسے فنا کے گھاٹ اتارنے لگے سب سے پہلے جو شخص مقابلہ کے لیے نکلا وہ تمیم ابن قحطبہ تھا آپ نے اس پر برق خاطف کی طرف حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر ڈالا، یہ سلسلہ تھوڑی دیر جاری رہا اور مدت قلیل میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مقتولین کی تعداد حد شمار سے باہر ہو گئی یہ دیکھ کر عمر سعد نے لشکر والوں کو پکار کر کہا کیا دیکھتے ہو سب مل کر یکبارگی حملہ کر دو، یہ علی کا شیر ہے اس سے انفرادی مقابلہ میں کامیابی قطعاً ناممکن ہے، عمر سعد کی اس آواز نے لشکر کے حوصلے بلند کر دیئے اور سب نے مل کر یکبارگی حملہ کا فیصلہ کیا آپ نے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا آپ کے پہلے حملہ میں ایک ہزار نو سو پچاس دشمن قتل ہوئے اور میدان خالی ہو گیا ابھی آپ سکون نہ لینے پائے تھے کہ اٹھائیس ہزار دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا، اس تعداد میں چار ہزار کمانڈر تھے اب صورت یہ ہوئی کہ سوار، پیادے اور کمانڈروں نے ہم آہنگ و عمل ہو کر مسلسل اور متواتر حملے شروع کر دیئے اس موقع پر آپ نے جو شجاعت کا جوہر دکھلایا اس کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ سر برسنے لگے دھڑ گرنے لگے، اور آسمان تھرتھرایا زمین کانپی، صفیں الٹیں، پرے درہم برہم ہو گئے۔

کبھی میسرہ کو الٹتے ہیں، کبھی میمنہ کو توڑتے ہیں، کبھی قلب لشکر میں در آتے ہیں کبھی جناح لشکر پر حملہ فرماتے ہیں شامی کٹ رہے ہیں کوئی گر رہے ہیں لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں حملے کرتے ہوئے فوجوں کو بھگاتے ہوئے نہر کی طرف پہنچ جاتے ہیں بھائی کی لاش ترائی میں پڑی نظر آتی ہے آپ پکار کر کہتے ہیں اے عباس تم نے یہ حملے نہ دیکھے، یہ صف آرائی نہ دیکھی افسوس کہ تم نے میری تنہائی نہ دیکھی علامہ اسفرائنی کا کہنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام دشمنوں پر حملہ کرتے تھے، تو لشکر اس طرح سے بھاگتا تھا جس طرح ٹڈیاں منتشر ہو جاتی ہیں نور العین میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام بہادر شیر کی طرح حملہ فرماتے اور صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے اور دشمنوں کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتے تھے جس طرح تیز دھار آلہ سے کھیتی کٹتی ہے۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت حملہ گراں افگند ہر کہ یاد کو شید شربت مرگ نوشیدو بہر جانب کہ تاخت گروہے را بخاک انداخت، کہ آپ عظیم الشان حملہ کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا جو آپ کے سامنے آتا تھا، شربت مرگ سے سیراب ہوتا تھا اور آپ جس جانب حملہ کرتے تھے گروہ کے گروہ کو خاک میں ملا دیتے تھے (کشف الغمہ ص ۷۸)۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کو یوم عاشورا داہنے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا تو آپ نے داہنی جانب حملہ کر کے سب کو بھگا دیا پھر پلٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار کر ہٹا دیا خدا کی قسم حسین سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل ثابت قدم، بہادر نہیں دیکھا گیا جو شکستہ دل ہو، صدمہ اٹھائے ہوئے، بیٹوں، عزیزوں اور دوست، احباب کے داغ بھی کھائے ہوئے ہو، اور پھر حسین کی سی ثابت قدمی اور بے جگری سے جنگ کر سکے، بخدا دشمنوں کی فوج کے سوار اور پیادے حسین کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں حسین جنگ کر رہے تھے "اذا خرجت زینب" کہ جب جناب زینب خیمہ سے نکل آئیں اور فرمایا کاش آسمان زمین

پر گر پڑتا اے عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اور عبداللہ قتل کئے جا رہے ہیں، یہ سن کر عمر سعد رو پڑا، آنسو ڈاڑھی پر بہنے لگے، اور اس نے منہ پھیر لیا، امام حسین علیہ السلام اس وقت خز کا جبہ پہنے ہوئے تھے سر پر عمامہ باندھا ہوا تھا اور وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے، حسین نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح جنگ فرمائی جس طرح جنگ جو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں تیروں کا مقابلہ کرتے تھے حملوں کو روکتے تھے اور سواروں کے پیروں پر حملہ کرتے تھے اور کہتے تھے، اے ظالمو! میرے قتل پر تم نے ایکا کر لیا ہے قسم خدا کی تم میرے قتل سے ایسا گناہ کر رہے ہو جس کے بعد کسی کے قتل سے بھی اتنے گنہگار نہ ہو گے تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور خدا مجھے عزت دے رہا ہے اور سنو وہ دن دور نہیں کہ میرا خدا تم سے اچانک میرا بدلہ لے گا، تمہیں تباہ کر دے گا تمہارا خون بہائے گا تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۰)۔

مسٹر جسٹس کارکرن امام حسین علیہ السلام کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزرے گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں، چنانچہ اول درجہ میں حسین بن علی ہیں کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت پر اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو، اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے کسی کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا حال لکھے کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان بہتر بزرگواروں کی ثبات قدمی اور تہوو شجاعت اور ہزروں خونخوار سواروں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں ایسی مدح کرے جیسی ہونی چاہئے کس کے بس کی بات ہے جو ان پر واقع ہونے والے حالات کا تصور کر سکے، لشکر میں گھر جانے کے بعد سے شہادت تک کے حالات عجیب وغریب قسم کی بہادری کو پیش کرتے ہیں، یہ سچ ہے کہ ایک کی دوا، دو مشہور ہے اور مبالغہ کی یہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے چار طرف سے گھیر لیا لیکن حسین اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے

دشمنوں نے تنگ کیا تھا چار طرف سے یزیدی فوج جو آندھی کی طرح تیر برسا رہی تھی، پانچواں دشمن عرب کی دھوپ، چھٹا دشمن ریگ گرم جو تنور کے ذرات کی مانند لو دے رہی تھی، اور ساتواں اور آٹھواں دشمن بھوک اور پیاس جو دغا باز ہمراہی کے مانند جان لیوا حرکتیں کر رہے تھے پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا، ایسے لوگوں سے بہادری میں کوئی فوقیت نہیں رکھتا (تاریخ چین دفتر دوم باب ۱۶ جلد ۲)۔

امام حسین علیہ السلام عرش زین سے فرش زمین پر

آپ پر مسلسل وار ہوتے رہے تھے کہ ناگاہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا اس کے فوراً بعد ابوالحتوف جعفی ملعون نے جبین مبارک پر تیر مارا آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور پونچھنے کے لیے آپ اپنا دامن اٹھانا ہی چاہتے تھے کہ سینہ اقدس پر ایک تیر سہ شعبہ پیوست ہو گیا، جو زہر میں بجھا ہوا تھا اس کے بعد صالح ابن وہب لعین نے آپ کے پہلو پر اپنی پوری طاقت سے ایک نیزہ مارا جس کی تاب نہ لا کر زمین گرم پر داہنے رخسار کے بل گرے، زمین پر گرنے کے بعد آپ پھر کھڑے ہوئے ورعہ ابن شریک لعین نے آپ کے داہنے شانے پر تلوار لگائی اور دوسرے ملعون نے داہنے طرف وار کیا آپ پھر زمین پر گر پڑے، اتنے میں سنان بن انس نے حضرت کے "ترقوہ" ہنسلی پر نیزہ مارا اور اس کو کھینچ کر دوسری دفعہ سینہ اقدس پر لگایا، پھر اسی نے ایک تیر حضرت کے گلوئے مبارک پر مارا۔

ان پیہم ضربات سے حضرت کمال بے چینی میں اٹھ بیٹھے اور آپ نے تیر کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور خون ریش مبارک پر ملا، اس کے بعد مالک بن نسر کندی لعین نے سر پر تلوار لگائی اور ورعہ ابن شریک نے شانہ پر تلوار کا وار کیا، حصین بن نمیر نے دہن اقدس پر تیر مارا، ابو یوب

غنوی نے حلق پر حملہ کیا نصر بن حرشہ نے جسم پر تیر لگائی صالح ابن وہب نے سینہ مبارک پر نیز مارا۔

یہ دیکھ کر عمر سعد نے آواز دی اب دیر کیا ہے ان کا سر کاٹ لو، سر کاٹنے کے لیے شیث ابن ربیع بڑھا، امام حسین علیہ السلام نے اس کے چہرہ پر نظر کی اس نے حسین کی آنکھوں میں رسول اللہ کی تصویر دیکھی اور کانپ اٹھا، پھر سنان ابن انس آگے بڑھا اس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا وہ بھی سر مبارک نہ کاٹ سکا یہ دیکھ کر شمر ملعون نے کہا یہ کام صرف مجھ سے ہو سکتا ہے اور وہ خنجر لیے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے قریب آ کر سینہ مبارک پر سوار ہو گیا آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں شمر ہوں، فرمایا تو مجھے نہیں پہچانتا، اس نے کہا، "اچھی طرح جانتا ہوں" تم علی و فاطمہ کے بیٹے اور محمد کے نواسے ہو، آپ نے فرمایا پھر مجھے کیوں ذبح کرتا ہے اس نے جواب دیا اس لیے کہ مجھے یزید کی طرف سے مال و دولت ملے گا (کشف الغمہ ص ۷۹)۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو یاد فرمایا اور سلام آخری کے جملے ادا کیے۔

جب آپ اس کی شقی القلبی کی وجہ سے مایوس ہو گئے تو فرمانے لگے اے شمر مجھے اجازت دیدے کہ میں اپنے خالق کی آخری نماز عصر ادا کرلوں اس نے اجازت دی آپ سجدہ میں تشریف لے گئے (روضۃ الشہداء ص ۳۷۷)

اور شمر نے آپ کے گلو مبارک کو خنجر کے بارہ ضربوں سے قطع کر کے سر اقدس کو نیزہ پر بلند کر دیا حضرت زینب خیمہ سے نکل پڑیں، زمین کانپنے لگی، عالم میں تاریکی چھا گئی، لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑ گئی، آسمان خون کے آنسو رونے لگا جو شفق کی صورت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گا (صواعق محرقہ ص ۱۱۶)۔

اس کے بعد عمر سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں سر مبارک کربلا سے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا (الحسین از عمر بن نصر ص ۱۵۴) امام حسین علیہ السلام کی سر بریدگی کے

بعد آپ کا لباس لوٹا گیا، اخنس بن مرثد عمامہ لے گیا اسحاق ابن حشوہ قمیص، پیراہن لے گیا ،ابجر بن کعب پائجامہ لے گیا اسود بن خالد نعلین لے گیا عبداللہ ابن اسید کلاہ لے گیا، بجدل بن سلیم انگشتری لے گیا قیس بن اشعث پٹکا لے گیا عمر بن سعد زرہ لے گیا جمیع بن خلق ازدی تلوار لے گیا اللہ رے ظلم ایک کمر بند کے لیے جمال ملعون نے ہاتھ قطع کر دیا ایک انگوٹھی کے لیے بجدل نے انگلی کاٹ ڈالی۔

اس کے بعد دیگر شہداء کے سر کاٹے گئے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کے لیے عمر سعد نے لشکریوں کو حکم دیا دس افراد اس اہم جرم خدائی کے لیے تیار ہو گئے جن کے نام یہ ہیں کہ اسحاق بن حویہ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، رجا بن منقذ، سالم بن خثیمہ صالح بن وہب، واعظ بن ناعم، ہانی ثبیت، اسید بن مالک، تواریخ میں ہے کہ "فداسوا الحسین بحوافر خیولہم حتی رضوا ظہرہ وصدرہ" امام حسین علیہ السلام کی لاش کو اس طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا کہ آپ کا سینہ اور آپ کی پشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ جسم کو اس طرح پامال کر دیں کہ بالکل ناپید ہو جائے تو جنگل سے ایک شیر نکلا اور اس نے بچالیا (دمعۂ ساکبہ ص ۳۵۰) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد وہ مٹی جو رسول خدا مدینہ میں ام سلمہ کو دے گئے تھے خون ہو گئی (صواعق محرقہ ۱۱۵) اور رسول خدا، ام سلمہ کے خواب میں مدینے پہنچے ان کی حالت یہ تھی وہ بال بکھرائے ہوئے خاک سر پر ڈالے ہوئے تھے ام سلمہ نے پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا "شہدت قتل الحسین انفا" میں ابھی ابھی حسین کے قتل گاہ میں تھا اور اپنی آنکھوں سے اسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے (صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۶، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۱۹، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۵۶، ذخائر العقبیٰ ص ۱۴۸)۔

اخلاقِ حسینی کے چند پہلو

جود وسخاوت تمام انسانوں کے اندر فطری طور پر پائی جاتی ہے اور ہر فطری فضی
انسان کی ذات میں اجاگر کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی خاتم • اور
معصومین نے بہت کوششیں کیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جود وسخا کے بارے میں معصوم
اقوال کثرت سے ملتے ہیں اور انھوں نے عملی طور پر بھی سخاوت کے ایسے نمونے پیش کئے
انسانیت اس فضیلت کی معراج کو دیکھنا چاہے تو اس کو مشکل نہیں ہوگی۔

اسامہ بن زید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے اور آپ کے
ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن حضور کی وفات کے بعد انہوں نے اہلبیت علیہم السلا
کما حقہ حمایت نہ کی اور امیر المومنین کی خلافت کے دوران ہونے والی جنگوں میں بھی حما
اور نہ مخالفت۔ ایسے پُر آشوب ماحول میں بھی جب وہ مریض ہوتے ہیں تو امام حسین علیہ السلام ا
عیادت کو جاتے ہیں۔ اسامہ نے آپ علیہ السلام کے سامنے سخت پریشانی کا اظہار کیا۔ امام علیہ السلام
وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں چھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے اسے تسلی دی کہ میں تمہارا قرض اتار دوں گا۔ لیکن اسا
پریشانی دور نہ ہوئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے میری موت
واقع ہو جائے۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ تیری موت واقع ہو، میں تیرا قرض

ں گا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اسامہ کی موت سے پہلے اس کا قرض ادا کر دیا۔

ہرایک کے ساتھ ہمدردی

سنت نبوی اور سیرت اہلبیت یہی رہی ہے کہ جب کوئی غریب اپنے حالات سے مجبور ہو کر ہاتھ پھیلائے تو یہ دیکھے بغیر کہ وہ اپنا ہے یا پرایا، اس کی مدد کی جائے۔ اس تجزیے کی مزید تشریح مندرجہ ذیل واقعہ سے اور واضح ہو جائے گی۔

جب مروان نے حکم دیا کہ فرزدق کو مدینہ سے نکال دیا جائے تو وہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ علیہ السلام نے اس کو ۴۰۰ دینار عطا کئے۔ کسی نے پوچھا کہ ایک فاسق شاعر کو اتنی عطا کیوں کر رہے ہیں تو امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ بہترین بخشش وہ مال ہے کہ جس سے آبرو محفوظ رہے"۔

یعنی اگر آپ نے کسی شخص کی آبرو کو محفوظ کر دیا تو یہ جان لیجئے کہ زندگی بھر اس کے دل میں بھی آپ کے لئے عزت و احترام موجود رہے گا۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ سنت نبوی اور سیرت اہلبیت علیہم السلام سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انھوں نے شعراء کے ساتھ خصوصاً بہت کریمانہ رویہ رکھا ہے اور اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اشعار انسان کے جذبات اور احساسات پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی شاعر کا ایک شعر کسی خاص واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے شاید ایک ضخیم کتاب سے زیادہ موثر واقع ہو جائے۔

استاد کی اہمیت

استاد کی اہمیت اور اس کو روحانی باپ کا درجہ دینا سنت نبوی اور سیرت اہلبیت میں

بہت واضح طور پر نظر آتا ہے۔ علم حاصل کرنے کی جتنی تاکید دین اسلام میں کی گئی ہے شا
اور دین و مکتب میں کی گئی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ علم حاصل کرنے کے آداب بھی تفصیل
بیان کئے گئے ہیں چنانچہ استاد کی عزت و احترام بھی آداب تعلیم و تعلم کا ایک اہم حصہ
مندرجہ ذیل واقعہ اس پہلو کی بہترین نشاندہی کرتا ہے۔

ابو عبدالرحمن عبداللہ بن حبیب سلمی نے امام حسین علیہ السلام کے ایک فرزند کو سورہ جمعہ
سکھائی۔ جب بچے نے امام علیہ السلام کے سامنے سورۃ کی تلاوت کی تو آپ علیہ السلام نے ابو عبدالر
ایک ہزار دینار اور ایک ہزار نئے لباس عطا کئے اور اس کے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔

جب کسی نے بخشش کی کثرت کی وجہ پوچھی تو امام نے فرمایا: جو میں نے اس کو
ہے، وہ اس کے کام کے مقابلہ میں (یعنی سورہ جمعہ کی تعلیم کے مقابلہ میں) بہت معمولی ہے

نیکی کا بدلہ اس سے بہتر

اسلام نے انسانیت کی فطری فضیلتوں کو پروان چڑھانے کے لئے حالات
بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسرے سے محبت کی جائے اور اس
ساتھ نیکی اور احسان کے پہلو کو مزید تقویت دیا جائے۔ مندرجہ ذیل واقعہ بھرپور طریقے
سب کو ایک دوسرے سے محبت اور احسان کرنے کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

ایک روز امام حسین علیہ السلام کی ایک کنیز نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں ایک گلدس
کیا۔ امام نے جواب میں اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ کسی نے سوال کیا کہ ایک چھوٹے
گلدستہ کے بدلے میں آپ نے کنیز کو آزاد کر دیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ طریقہ خدا نے
سکھایا ہے۔ ''یعنی جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر طریقے سے یا کم از کم اسی کے:

جواب دو۔ (سورہ نساء ۸٦۔) اور اس کنیز کے لئے بہترین تحفہ اس کی آزادی تھی؛

عالم اور جاہل میں فرق

خدا نے بعض نعمتوں کو تمام انسانوں کے درمیان یکساں طور پر تقسیم کیا ہے جیسے سورج کی روشنی اور اس کی حرارت، لیکن بعض نعمتوں کو صرف اہل افراد کے لئے مخصوص کیا ہے جیسے جنت اور اس کی نعمتیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر عطا اور بخشش میں مساوات ضروری نہیں ہے۔ اگر آپ کے سامنے دو محتاج ہیں: ایک عالم اور دوسرا جاہل تو آپ چاہیں تو عالم کو زیادہ دے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ جہاں اور دوسرے نکات کو ظاہر کر رہا ہے وہاں عطا اور بخشش کرتے وقت عالم اور جاہل میں فرق کرنے کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ایک مرتبہ ایک بدو امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے فرزند رسول! میں بہت مقروض ہو گیا ہوں اور اس کو ادا کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ کسی ایسے شخص کے پاس جاؤں جو سب سے بڑھ کر کریم ہو۔ اور میں نے کسی دوسرے کو اہل بیت سے زیادہ کریم نہیں پایا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے عربی بھائی! میں تم سے تین سوال کروں گا۔ اگر ایک سوال کا جواب دیا تو تمہارے قرض کا ایک تہائی حصہ ادا کردوں گا۔ اگر دو سوالوں کے جواب دیئے تو قرض کا دو تہائی حصہ ادا کردوں گا اور اگر تینوں سوالوں کے جواب دے دیئے تو پورا قرضہ ادا کردوں گا۔"

بدو نے کہا کہ آپ علیہ السلام جیسی صاحب علم اور با فضیلت شخصیت مجھ سے سوال کرے اور میں جواب دوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ نیکی اور بخشش اس کی معرفت اور معلومات کے مطابق ہوتی ہے۔"

بدو سوالات پر راضی ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ علیہ السلام جو چاہتے ہیں، پوچھ لیجئے اگر مجھے معلوم ہوا تو جواب دے دوں گا ورنہ آپ سے پوچھ لوں گا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: بہترین عمل کیا ہے؟

بدو نے جواب دیا: خدا پر ایمان۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کون سی چیز لوگوں کو تباہی و ہلاکت سے بچاتی ہے؟

بدو نے جواب دیا: خدا پر توکل اور اعتماد۔

امام علیہ السلام نے پوچھا! آدمی کی زینت کس میں ہے؟

بدو نے جواب دیا: وہ علم کہ جس کے ساتھ حلم اور بردباری بھی ہو۔

امام علیہ السلام نے پوچھا اور اگر اس کے پاس یہ فضیلت نہ ہو تو؟

بدو نے جواب دیا: ایسا مال کہ جس کے ساتھ غیرت بھی ہو۔

امام علیہ السلام نے پھر پوچھا! اگر یہ بھی نہ ہو تو؟

بدو نے کہا! ایسی غربت جس کے ساتھ صبر و تحمل بھی ہو۔

امام علیہ السلام نے پوچھا! اگر یہ بھی نہ ہو؟

بدو نے کہا: ایسی صورت میں (بہتر ہے) ایک بجلی آسمان سے نازل ہو اور اس شخص کو جلا کر راکھ کر دے کہ وہ اسی کا حقدار ہے۔

امام حسین علیہ السلام یہ سن کر مسکرا دیئے اور اس کو ایک ہزار دینار اور ایک انگوٹھی عطا کی اور فرمایا کہ ہزار دینار سے اپنا قرض ادا کرو اور انگوٹھی بیچ کر کہ جس کی قیمت تقریباً ۲۰۰ درہم ہے، اپنی زندگی پر خرچ کرو۔

بدو نے دونوں چیزیں لیں اور یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے رخصت ہوا کہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ"، خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔" (بحار ج ۴۴)

کس سے سوال کریں

آج کے اس پر آشوب دور میں لوگوں کی مالی مشکلات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں، لیکن مکتب اہلبیت علیہم السلام ہر انسان کو ہر ممکن حد تک مشکلات کا سامنا کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اگر ہاتھ پھیلانا ناگزیر ہو جائے تو بھی ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے۔

ایک شخص امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور مالی مدد کی درخواست کی۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کسی کے سامنے سوال کرنا صرف تین مواقع پر جائز ہے: بہت زیادہ مقروض ہو یا بہت غریب ہو یا دیت اس کے ذمہ ہو۔

ایک شخص نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مدد کی درخواست کی۔ امام علیہ السلام نے اس کی حاجت پوری کرنے کے بعد اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سوائے تین لوگوں کے اپنی حاجت کسی سے بیان نہ کرو: دیندار سے یا غیرت مند سے یا صاحب حسب ونسب سے؛

دیندار شخص اپنے دین کی وجہ سے تیری حاجت کو رد نہیں کرے گا۔

غیرت مند شخص اپنی غیرت کی وجہ سے شرم کرے گا اور تیری حاجت کو پورا کرے گا۔

اور صاحب حسب ونسب انسان چونکہ یہ بات سمجھے گا کہ تو نے اتنی آسانی سے اپنی عزت کو اپنی حاجت بیان کر کے پامال نہیں کیا ہے، اس لئے وہ تیری مزید بے عزتی نہیں ہونے دے گا۔

شانوں پر نشانات

واقعہ کربلا کے بعد لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کے شانوں پر زخم کے نشانات دیکھے امام زین العابدین علیہ السلام سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد ہمیشہ را کو ایک بوری میں خوراک اپنے کاندھوں پر لاد کر بیوہ عورتوں، یتیموں اور مسکینوں کے گھروں جا کر تقسیم کرتے تھے۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

امام حسین علیہ السلام اور فقراء

سنت نبوی اور اہلبیت علیہم السلام کی سیرت عام انسانوں سے برتاو میں روایتی بادشاہوں اور حکمرانوں کے عمل سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مکتب انسان کی عزت و آبرو کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاجزی اور انکساری کے عملی واقعات اہلبیت علیہم السلام سیرت میں بہت زیادہ ملتے ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے۔

ایک روز کچھ فقیروں کے سامنے سے امام حسین علیہ السلام کا گزر ہوا۔ وہ لوگ روٹی ٹکڑے کھا رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے ان لوگوں کو سلام کیا تو انہوں نے امام علیہ السلام کو دعوت دی ان کے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھائیں۔ امام علیہ السلام نے دعوت قبول کی اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور فر یہ روٹی جو تم لوگ کھا رہے ہو، صدقہ نہیں ہے اس لئے میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ گیا ہوں۔ امام علیہ السلام نے ان سب کو اپنے گھر دعوت دی۔ جب سب گھر پہنچے تو ان کو کھانے کے علاوہ لباس اور کچھ پیسے بھی دیئے۔

قرآنی تعلیمات اور معصومین علیہم السلام کا عمل

ہمارا ایمان ہے کہ معصومین قرآن ناطق ہیں اور جس طرح قرآن کو ان ہستیوں نے عملی طریقہ سے پیش کیا' شاید ہی کوئی دوسرا اس کے مقابل آسکے۔ جن ہستیوں کا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہو، وہ یقینا قابلِ اطاعت ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس امر کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے ایک غلام نے ایک ایسی غلطی کی جو قابلِ سزا تھی۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو تازیانہ مارا جائے۔ غلام نے امام علیہ السلام سے کہا: اے میرے مولا! خدا نے قرآن میں فرمایا ہے، "والکاظمین الغیظ" امام علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا اور کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ غلام نے آیت کا اگلا حصہ پڑھا: والعافین عن الناس" امام علیہ السلام نے کہا میں نے تیرا گناہ بخش دیا۔ اب اس نے آیت کا بقیہ حصہ پڑھا: واللہ یحب المحسنین " اس مقام پر امام علیہ السلام نے فرمایا: تجھ کو خدا کے لئے آزاد کرتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ سے انتخاب کئے گئے یہ چند واقعات جہاں امام علیہ السلام کی عظمتوں کو بیان کرتے ہیں، وہاں ان پر عمل کر کے ہماری انفرادی واجتماعی زندگی میں انقلاب آسکتا ہے۔ امید ہے کہ ہم سب ان روایات کو پڑھنے کے بعد ان پر عمل کر کے اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں گے۔

جہاد کے وقت امام حسین علیہ السلام کی دعائیں

روایت ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام ایک رات میں گھر سے نکلے اور اپنے جد کی قبر اور کی طرف چل دیئے۔ وہاں پر چند رکعت نماز بجالائے۔ پھر یوں گویا ہوئے:

پروردگارا! یہ تیرے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے۔ میں ان کی بیٹی کا لخت ہوں۔ ایک مشکل درپیش ہے جسے تو جانتا ہے۔ بارالٰہا! میں ہر اچھے کام کو پسند کرتا ہوں اور بُرے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ اے صاحب جلال و اکرام! تجھ سے اس قبر اطہر کے صدقہ میں جو اس میں محو خواب ہیں، سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اور جس جس پر تو راضی اور خوش ہے، میرے لئے وہی قرار دے۔ (بحار ۴۴: ۳۲۸)

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نکلے، یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ جب دور سے مکہ پہاڑوں پر نظر پڑی تو اس آیہ مجیدہ کی تلاوت فرمائی:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین آئے تو کہا: شاید میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت فرمائے۔

پھر جب مکہ پہنچے تو فرمایا:

دشمن کے ساتھ جہاد کے وقت آپ کی دعائیں

مدینہ سے روانگی سے قبل

روایت ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام ایک رات میں گھر سے نکلے اور اپنے جد کی قبر اور مزار کی طرف چل دیئے۔ وہاں پر چند رکعت نماز بجالائے۔ پھر یوں گویا ہوئے:

پروردگارا! یہ تیرے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے۔ میں ان کی بیٹی کا لختِ جگر ہوں۔ ایک مشکل درپیش ہے جسے تو جانتا ہے۔ بارالہا! میں ہر اچھے کام کو پسند کرتا ہوں اور برے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ اے صاحب جلال واکرام! تجھ سے اس قبر اطہر کے صدقہ میں اور جو اس میں محو خواب ہیں، سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اور جس جس پر تو راضی اور خوش ہے، میرے لئے وہی قرار دے۔ (بحار ۴۴:۳۲۸)

مکہ پہنچنے پر آپ کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نکلے، یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ جب دور سے مکہ کے پہاڑوں پر نظر پڑی تو اس آیہ مجیدہ کی تلاوت فرمائی:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین آئے تو کہا: شاید میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت فرمائے۔

پھر جب مکہ پہنچے تو فرمایا:

پروردگارا! میرے لئے خیر و برکت قرار دے اور میری راہ راست کی طرف رہنمائی فرما۔ (طریحی در منتخب: ۴۲۲)

جب قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر پہنچی

روایت ہے کہ جب قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ روئے اور فرمایا:

بار الہا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کیلئے اپنے نزدیک جگہ مقدر فرما اور ہمیں
ہمارے شیعوں کو اپنی رحمت کی جگہ پر جمع فرما۔

ایک روایت میں ہے:

بار الہا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کیلئے جنت کو بہترین مکان قرار دے۔ بے شک
ہر کام پر قادر ہے۔ (لہوف: ۴۴، مثیر الاحزان: ۴۴، بحار ۴۴: ۳۷۴)

کربلا میں داخل ہونے سے پہلے

خداوندا! ہم تیرے پیغمبر حضرت محمد کا خاندان ہیں۔ ہمیں اپنے جد کے حرم سے نکالا
ہے اور چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ بنو اُمیہ نے ہم پر ظلم کیا اور تجاوز کیا۔ بار الہا! ہمارا بدلہ
ہمارا انتقام ان سے لے اور قومِ ظالمین کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ (بحار ۴۴: ۳۸۲

کربلا میں داخل ہوتے وقت

بار الہا! میں کرب و بلا سے تجھ سے پناہ کا طلب گار ہوں۔ (لہوف: ۳۵)

جب دشمن کے لشکر کی تعداد زیادہ ہوگئی

روایت ہے کہ جب سید الشہداء علیہ السلام کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوا یا اضافہ
شروع ہوا تو امام علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ اب کوئی راہِ نجات نہیں ہے تو فرمایا:

پروردگارا! ہمارے اور اس گروہ کے درمیان جنہوں نے ہمیں دعوت دی تا کہ ہما
مدد کریں، لیکن اب ہمارے قتل کے ارادے کر چکے ہیں، تو ہی فیصلہ فرما۔ (مرا

الذہب ۳: ۳۰۷)

شبِ عاشورا کو آنحضرت کی دعا

بارالٰہا! بہت اچھے انداز میں حمد وثناء الٰہی کرنے والا ہوں اور مشکل اور آسانی میں تیرا ثناگو ہوں۔ بارالٰہا! تیری حمد وثنا کرتا ہوں کہ تو نے نبوت سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی۔ ہمیں دین میں فصاحت نصیب فرمائی اور ہمارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنایا۔ پس ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیری نعمتوں پر شکرگزار رہوں۔ (اعلام الوریٰ: ۲۳۸)

عاشورا کے دن آپ کی دعا

امامِ سجاد علیہ السلام سے روایت ہے جو فرمارہے تھے کہ جب عاشورا کے دن دشمنوں کے لشکر امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے پر جمع ہو گئے تو سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

پروردگارا! ہر سختی میں تو ہی میری پناہ ہے اور ہر مصیبت میں میری اُمیدیں تجھ ہی سے وابستہ ہیں۔ ہر آنے والی مشکل گھڑی میں تو ہی میرا مورد وثوق اور سرمایہ ہے۔ کتنی ایسی سختیاں ہیں جو دلوں کو لرزا دیتی ہیں۔ تمام کوششیں اور طریقے بے فائدہ ہو جاتے ہیں، جہاں پر دوست بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جب دشمن جری ہو کر کھلی دشمنی پر اتر آتے ہیں۔ میں ایسے کاموں کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں ہی شکایت کرتا ہوں کیونکہ میری اُمیدیں تجھ ہی سے وابستہ ہیں۔ پس تو نے ہی میرے کاموں کے انجام پانے کیلئے کوئی راہ مقرر فرمائی اور میری مشکلات کو حل فرمایا؛ پس تو ہی ہر نعمت کے دینے والا اور ہر ایک اچھائی اور نیکی کا مالک ہے۔ ہر ایک کیلئے تو ہی آخری اُمید ہے۔ (بحار ۴۵: ۴، مستدرک الوسائل ۱۱: ۱۱۳)

عاشور کے دن اپنے لشکر کی صف بندی کرنے سے پہلے دعا

روایت ہے کہ جب عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آمادہ کرلیا اور اس کی صف بندی کرلی تو امام حسین علیہ السلام ان کی طرف آئے اور تھوڑی دیر کیلئے خاموشی اختیار کرنے کو کہا لیکن انہوں نے خاموشی اختیار نہ کی۔ سیدالشہداء علیہ السلام نے اسی دوران میں اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

پروردگارا! ان پر بارانِ رحمت کا نزول نہ فرما۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط نازل فرما۔ ثقفی خاندان کے جوان کو ان پر مسلط فرما تا کہ وہ ان پر بہت زیادہ سختی روا رکھے اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے۔ مگر وہ لوگ جنہیں کسی صورت میں قتل کرنا ہے یا مورد ضرب و شتم واقع ہونا ہے۔ میرا، میرے دوستوں اور عزیز و اقارب اور مددگاروں کا انتقام ان سے لے۔ بے شک اس جماعت نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، ہمیں جھٹلایا ہے اور ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ تجھ ہی پر توکل کرتے ہیں اور تیری ہی بارگاہ میں آہ و بکا کرتے ہیں۔ ہم سب کی بازگشت تیری ہی طرف ہے۔ (بحار ۴۵:۱۰)

عاشورا کے دن آپ کی دعا

پروردگارا! مجھے اپنے حق سے محروم کیا ہے، پس اس کو مجھے عطا فرما۔ بارالہا! تحقیق میں نے ان کو غضبناک کیا ہے، انہوں نے مجھے غضبناک کیا ہے۔ میں نے انہیں پریشان کیا ہے، انہوں نے مجھے رنجیدہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ایسا رویہ اور اخلاق اپنانے پر مجبور کیا ہے جو میرے شایانِ شان نہیں ہے۔

پروردگارا! میرے لئے ان سے بہتر گروہ اور جماعت کو مقدر فرما۔ میرے علاوہ کوئی

بہت برا انسان ان پر مسلط فرما۔ پروردگار! جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے، ان کے دلوں میں ایسے ہی ایمان گھول دے۔ (مستدرک ۴: ۳۹۴)

حضرت علی اکبر علیہ السلام کو جنگ کیلئے روانہ کرتے وقت دعا

روایت ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام کو قوم اشقیاء کے مقابل روانہ کیا تو امام علیہ السلام سر جھکائے گریہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پروردگارا! تو ان پر گواہ رہنا، اب ایسے جوان کو ان کی جانب روانہ کر رہا ہوں جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تیرے رسول کے مشابہ ہے۔ (مقاتل الطالبین: ۸۵)

حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کی دعا

پروردگارا! زمینی برکتوں کو ان سے روک لے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ فرما۔ ان کی صفوں کو پراگندہ فرما۔ ان کیلئے مختلف راہیں قرار دے۔ حکمرانوں کو ان سے راضی نہ فرما۔ انہوں نے ہمیں دعوت دی تا کہ ہماری مدد کریں لیکن وہ ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارے قتل کے درپے ہوئے۔ (بحار ۴۵: ۴۴)

حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کی ایک اور دعا:

اے اللہ! اس قوم کو قتل کر جس نے تجھے قتل کیا ہے۔ (لہوف: ۴۹)

حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت کے بعد آنحضرت کی دعا

پروردگارا! اگر آسمان سے ہماری مدد کو روک رکھا ہے تو اس چیز کو ہمارے لئے اُس سے

بہتر قرار دے اور اس قوم ستم گار سے انتقام لے۔ (اعلام الوریٰ: ے ۲۴)

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام خیموں کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ معصوم پیاس کی شدت سے گریہ کناں ہے۔

اس کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور فرمایا: اے قوم! اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو کم از کم اس بچے پر رحم کرو۔ اتنے میں لشکر میں سے ایک آدمی نے ایسا ظلم کا تیر پھینکا کہ حضرت علی اصغر ذبح ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام دیکھ کر روئے اور فرمایا:

پروردگارا! میرے اور اس قوم اشقیاء کے درمیان فیصلہ فرما جنہوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہماری مدد کریں لیکن ہمارے قتل کے درپے ہیں۔

اتنے میں ہاتف غیبی سے آواز آئی: اے حسین! اس کو چھوڑ دیجئے کیونکہ جنت میں اس کو دودھ پلانے والی موجود ہے۔ (تذکرۃ الخواص: ۲۵۲)

ایک روایت ہے کہ جب تیر حضرت علی اصغر کے گلے میں پیوست ہوا تو امام علیہ السلام روئے اور اپنے دونوں ہاتھ جناب علی اصغر کے گلے کے نیچے رکھ دیے اور فرمایا:

اے نفس! صبر سے کام لو اور وارد شدہ مصائب کو خدا کا امتحان شمار کرو۔ بارالہا! حال حاضر میں جو کچھ ہم پر مصائب آئے، تو خود شاہد ہے۔ پس ان کو قیامت کے دن کیلئے ہمارا توشہ اور مددگار قرار دینا۔ (معالی السبطین ۱: ۴۲۳)

شہزادہ قاسم بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد دعا

پروردگارا! تو جانتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمیں دعوت دی تاکہ ہماری مدد حاصل کریں لیکن ہمیں ذلیل و خوار کر کے ہمارے دشمنوں کے مددگار بنے بیٹھے ہیں۔ خداوندا! باران رحمت

کے نزول سے انہیں محروم فرما اور بارش کی رحمتوں سے محروم فرما۔ ہرگز ان سے راضی نہ ہونا۔

بارالہا! اگر دنیا میں ہماری مدد کرنے سے گریز کیا ہے تو اس کو ہماری آخرت کیلئے ذخیرہ قرار دے اور اس گروہ ستم گار سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔ (ینابیع المودۃ: ۳۴۵)

خداوندا! ان تمام کو نابود فرما۔ ان کو منتشر اور پراگندہ فرما اور انہیں قتل فرما۔ ان میں کوئی بھی زندہ نہ رہے اور ان سے ہرگز درگزر نہ فرما۔ (بحار ۴۵: ۳۶)

عبداللہ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد دعا

پروردگارا! اگر انہیں ایک عرصہ تک زندہ رکھنا ہے تو انہیں پراگندہ فرما اور ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرما۔ ہرگز ان سے راضی نہ ہونا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے:

بارالہا! بارانِ رحمت سے انہیں محروم فرما۔ ان سے زمین کی برکتیں روک دے۔ پروردگارا! اگر انہیں کچھ عرصہ تک زندہ رکھنا ہے تو ان کی صفوں کو اتحاد کی دولت سے محروم فرما۔ انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم فرما۔ کبھی بھی ان کے رہبروں کو ان سے راضی نہ فرما۔ انہوں نے ہمیں دعوت دی تا کہ ہماری مدد کریں لیکن ہم پر حملہ آور بن کر ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ (اعلام الوریٰ: ۲۴۹، بحار ۴۵: ۵۳)

امام علیہ السلام کی پیشانی پر تیر لگنے کے بعد دعا

روایت ہے کہ جب تیر امام حسین علیہ السلام کی پیشانی میں پیوست ہوا تو اس کو نکالتے ہوئے چونکہ خون پورے چہرے اور داڑھی پر جاری ہو گیا تو فرمانے لگے:

خداوندا! جو کچھ میں اس گناہ گار گروہ سے مصائب اٹھا رہا ہوں، تحقیق تو دیکھ رہا ہے۔ خداوندا! انہیں تباہ و برباد فرما اور پراگندہ صورت میں قتل فرما۔ روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہے۔ انہیں ہرگز معاف نہ فرما۔ (بحار ۴۵: ۵۲)

امام کی دعا اُس وقت جب آپ کی طرف تیراندازی کی گئی

روایت ہے کہ جب پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہوئے تاکہ دریائے فرات نے شریعہ پر پہنچیں۔ حضرت عباس علیہ السلام ان کے سامنے اور ان سے آگے آگے تھے۔ عمر سعد کی فوجوں نے ان کا راستہ روکا۔ اتنے میں قبیلہ بنی دارم میں سے کسی آدمی نے امام حسین علیہ السلام کی طرف تیر چلادیا جو ان کے چہرے کے نچلے حصہ میں پیوست ہوگیا۔ امام علیہ السلام اپنا ہاتھ چہرے کے نیچے لائے، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ خون سے بھر گئے۔ سید الشہداء علیہ السلام خون پھینک کر یوں گویا ہوئے:

خداوندا! جو کچھ تیرے نبی کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کر رہے ہیں، تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

جب امام حسین علیہ السلام پر پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تو آپ فرات کے کنارے آئے تاکہ پانی پی سکیں لیکن حصین بن نمیر نے امام علیہ السلام کی طرف تیر پھینکا جو دہن اقدس میں پیوست ہوگیا۔

لہٰذا سید الشہداء علیہ السلام کے منہ سے خون جاری ہوگیا۔ خون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ پھر حمد و ثنائے باری تعالیٰ کی اور فرمایا:

خداوندا! جو کچھ تیرے نبی کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کر رہے ہیں، تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ خداوندا! ایک دم ان کو نابود فرما اور انہیں پراگندہ صورت میں قتل فرما۔ ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ رکھ۔ (لہوف:۵۱، بحار ۴۵:۵۰)

چہرے اور منہ پر تیر لگنے کے بعد امام علیہ السلام کی دعا

مسلم بن ریاح سے نقل ہے جو علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے موالیوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ روز عاشور میں امام علیہ السلام کی خدمت میں تھا۔ ایک تیر ان کے چہرے پر آکر لگا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے مسلم! اپنا ہاتھ میرے نزدیک کرو۔ ہاتھ خون سے بھرا ہوا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ جیسے ہی وہ خون میرے ہاتھ پر ڈالنے لگے، انہوں نے خون کو آسمان کی طرف بلند کر دیا اور فرمایا:

خداوندا! اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کے خون کا مطالبہ کر۔

مسلم کہتے ہیں کہ اس خون میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔ (کفایۃ الطالب:۴۳۱)

گھوڑے سے دائیں سمت گرنے کے بعد آپ نے فرمایا

خدا کے نام، اس کی یاد میں اور پیغمبر اسلام کی راہ میں۔ (لہوف:۵۴)

عاشورا کے آخری لمحات میں آپ کی دعا

پروردگارا! تیری جگہ بلند، تو عظیم الشان قدرت والا، سخت قہر و غضب والا، مخلوقات سے بے نیاز، وسیع قدرت والا، جس پر چاہتا ہے قدرت رکھتا ہے۔ بہت نزدیک رحمت والا، سچے

وعدے والا، زیادہ نعمتوں والا اور اچھی آزمائش والا ہے۔

جب پکارا جائے تو تو بہت نزدیک ہے۔ اپنی مخلوقات پر محیط ہے۔ جو تیری طرف آئے، تو اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اپنے ارادے پر قادر ہے۔ جسے چاہے پالیتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جائے تو شکر قبول کرتا ہے اور جب تجھے یاد کیا جائے تو یاد آتا ہے۔

تیری طرف نیاز مند ہو کر تجھے پکار رہا ہوں۔ ایک فقیر اور خالی ہاتھ تیری طرف آ ہوں۔ خوف اور ڈر سے تیری بارگاہ میں آیا ہوں۔ دکھوں سے تیرے حضور میں گریہ کناں ہوں ضعیف ناتوانی کی صورت میں تجھ سے مدد کا طلبگار ہوں۔ تجھے اپنے لئے کافی سمجھتے ہوئے توکل کرتا ہوں۔

پروردگارا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرما۔ تحقیق انہوں نے ہمیں فریب دیا، دھوکہ دے کر ہمیں قتل کر رہے ہیں جبکہ ہم تیرے نبی کی بیٹی کی اولاد ہیں کہ جنہیں رسالت جیسے عظیم منصب کیلئے منتخب فرمایا ہے۔

انہیں اپنی وحی پر امین قرار دیا ہے۔ پروردگارا! ہمارے لئے کوئی راہ نکال دے، اے بہترین رحمت کرنے والے۔ (اقبال الاعمال: ۶۹۰، بحار ۱۰۱: ۳۴۸)

شہادت سے کچھ دیر قبل آپ کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہادت سے پہلے تھوڑی دیر تک زمین پر خون میں لت پت پڑے رہے۔ منہ آسمان کی طرف تھا اور فرما رہے تھے:

خداوندا! قضا و قدر پر صبر کرتا ہوں۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اے فریادگروں کی فریادرسی کرنے والے! (ینابیع المودۃ: ۳۴۸)

امام حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری

جن مقامات پر رونے پر تاکید کی گئی وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا ہے، جو ایک عظیم عبادت ہے جس کا ثواب بھی عظیم اور روحانی دردوں کی دوا ہے اور انسان کو توبہ و مغفرت کے لئے تیار کرتا ہے نیز خداوند عالم کی رحمت واسعہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کے سلسلہ میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ اب تک "بکاء الحسین" کے عنوان سے چند کتابیں چھپ چکی ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کی مخالفت بعض جاہل و نادان گروہ اور بعض اوقات روشن فکر نما لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو حقیقت میں قرآن کریم، سنت پیامبر (ص) اور اولیائے الٰہی کی روش کے برخلاف ہے، لیکن شیعوں کو اس جاہلانہ مخالفت پر توجہ نہیں کرنی چاہئے اور اہل بیت علیہم السلام پر رونے کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے جو ایک طرح سے ظالموں اور ستمگروں کے خلاف مقابلہ ہے، بلکہ نسل در نسل اس الٰہی عمل اور عظیم ثواب والے کام کی طرف رغبت کرنی چاہئے اور اس کو گرانقدر میراث کے عنوان سے اپنے وارثوں کے لئے چھوڑیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک اہم روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

مَنْ تَذَكَّرَ مُصَابَنَا وَبَكىٰ لِمَا ارْتُكِبَ مِنَّا كَانَ مَعَنَا فِي دَرَجَاتِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ ذُكِّرَ بِمُصَابِنَا فَبَكىٰ وَاَبْكىٰ لَمْ تَبْكِ عَيْنُهُ يَوْمَ تَبْكِي الْعُيُونُ۔

"جو شخص ہم پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرے اور دشمنوں کی طرف سے ہم پر ہونے والے مظالم کو یاد کر کے روئے تو روز قیامت وہ ہمارے درجہ میں ہمارے ساتھ ہے اور جو شخص ہمارے مصائب پر روئے اور دوسروں کو رُلائے تو جس روز تمام آنکھیں روتی ہوئی نظر آئیں گی اس کی آنکھ نہیں روئے گی"۔

رونے کی حقیقت

رونا، اس حالت کو کہا جاتا ہے کہ جب انسان پر غم یا پریشانیاں آئیں اور اس کا دل ٹوٹا ہوا ہو یا بہت زیادہ خوشی کا موقع ہو۔

رونا ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انبیائے الٰہی، ائمہ معصومین علیہم السلام اور اولیائے الٰہی مختلف حالات میں سروکار رکھتے تھے مخصوصا سحر کے وقت، مناجات اور راز و نیاز کے وقت۔

رونا، خدا کے خاص عابدوں کے مکتب میں بہت سی باطنی دردوں کی دوا ہے جیسے محبوب کا فراق اور اس کی دوری، اور اپنے غمزدہ دل کو آرام و سکون دیتا ہے۔

آج "علاجی رونا" مغربی ممالک میں ڈاکٹری کے ایک شعبہ کے عنوان سے جانا جاتا ہے اور بعض ڈاکٹر اپنے بیماروں کو تاکید کرتے ہیں اپنے علاج کے لئے جتنا ممکن ہو سکے روئیں اور آنسو بہائیں۔

جلال الدین محمد بلخی، ایک بے نظیر ایرانی عارف تھے جو حقیقی معارف کو اپنے دل سے قبول رکھتے تھے، رونے کے سلسلہ میں کہتے ہیں:

تا نگرید ابر کی روید چمن

تا نگرید طفل کی جوشد لبن [2]

"جب بادل نہ روئے چمن سرسبز کیسے ہو، اور جب تک بچہ نہ روئے شیر مادر کیسے جوش میں آئے"۔

گر نگرید کودک حلوا فروش
بحر رحمت در نمی آید بہ جوش[3]

"جب تک حلوائی کا بچہ نہ روئے، اس وقت تک بحر رحمت (مادر) کیسے جوش مارے"۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

گریہ بر ہر دردبی درمان دوا است
چشم گریان چشمہ فیض خدا است

"رونا ہر لا علاج بیماری کی دوا ہے، روتی ہوئی آنکھ فیض الٰہی کا چشمہ ہے"۔

رونا، مومن کی علامت

قرآن مجید، سورہ مائدہ میں رونے کو حقیقی مومن کی نشانی کے عنوان سے یاد کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"وَإِذَا سَمِعُوا مَا 1 علیه السلام، نزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ..."[4]

"اور جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے"۔

اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں نصف شب اور سحر کے وقت خوف خدا سے رونے کے سلسلہ میں بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور ان کی تفسیر و تشریح نہ (بھی) کی جائے تو بھی ایک مستقل اہم کتاب بن جائے گی۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام دعائے کمیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

"خداوندا! آئندہ آنے والے کن کن مصائب پر گریہ کروں"؟

نیز اسی دعا کا ایک دوسرے فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں:

لِاَلِیمِ الْعَذابِ وَشِدَّتِهِ، اَمْ لِطُولِ الْبَلاءِ وَمُدَّتِهِ۔

"دردناک عذاب اور اس کی سختی پر، یا بلاؤں کے طولانی ہونے اور اس کی مدت پر"؟

حضرت امام سجاد علیہ السلام دعائے ابوحمزہ ثمالی میں خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

فَمالِي لا اَبْكِي، اَبْكِي لِخُرُوجِ نَفْسِي، اَبْكِي لِظُلْمَةِ قَبْرِي، اَبْكِي لِضِيقِ لَحْدِي، اَبْكِي لِسُوالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ اِيّايَ، اَبْكِي لِخُرُوجِي مِنْ قَبْرِي عُرْياناً ذَلِيلاً حامِلاً ثِقْلِي عَلى ظَهْرِي۔!!

"میں کیسے نہ روؤں؟ میں جاکنی کا تصور کر کے رو رہا ہوں۔ میں قبر کی تاریکی اور لحد کی تنگی کے لئے رو رہا ہوں، میں منکر ونکیر کے سوال کے لئے رو رہا ہوں، میں اپنی قبر سے برھنہ ذلیل اور گناہوں کا بوجھ لادھ کے نکلنے کے تصور سے رو رہا ہوں"۔

اس بنا پر رونا، خداوند عالم، انبیائے الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا مطلوب ہے، لیکن اس کو ایسی جگہ خرچ کرنا چاہئے کہ خداوند عالم، انبیائے الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے انسان سے چاہا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر گریہ

جن مقامات پر رونے پر تاکید کی گئی وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا ہے، جو ایک عظیم عبادت ہے جس کا ثواب بھی عظیم اور روحانی دردوں کی دوا ہے اور انسان کو توبہ و مغفرت کے لئے تیار کرتا ہے نیز خداوند عالم کی رحمت واسعہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کے سلسلہ میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ اب تک "بکاء الحسین" کے عنوان سے چند کتابیں چھپ چکی ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کی مخالفت بعض جاہل و نادان گروہ اور بعض اوقات روشن فکر نما لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو حقیقت میں قرآن کریم، سنت پیامبر (ص) اور اولیائے الٰہی کی روش کے برخلاف ہے، لیکن شیعوں کو اس جاہلانہ مخالفت پر توجہ نہیں کرنی چاہئے اور اہل بیت علیہم السلام پر رونے کو ھاتھ سے نہیں دینا چاہئے جو ایک طرح سے ظالموں اور ستمگروں کے خلاف مقابلہ ہے، بلکہ نسل در نسل اس الٰہی عمل اور عظیم ثواب والے کام کی طرف رغبت کرنی چاہئے اور اس کو گرانقدر میراث کے عنوان سے اپنے وارثوں کے لئے چھوڑیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک اہم روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

مَنْ تَذَكَّرَ مُصَابَنَا وَبَكَى لِمَا ارْتُكِبَ مِنَّا، كَانَ مَعَنَا فِي دَرَجَاتِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ ذُكِّرَ بِمُصَابِنَا فَبَكَى وَأَبْكَى لَمْ تَبْكِ عَيْنُهُ يَوْمَ تَبْكِي الْعُيُونُ۔ [5]

"جو شخص ہم پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرے اور دشمنوں کی طرف سے ہم پر ہونے والے مظالم کو یاد کر کے روئے تو روز قیامت وہ ہمارے درجہ میں ہمارے ساتھ ہے اور جو شخص ہمارے مصائب پر روئے اور دوسروں کو رُلائے تو جس روز تمام آنکھیں روتی ہوئی نظر آئیں گی اس کی آنکھ نہیں روئے گی"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے مسمع سے فرمایا: تم عراق کے رہنے والے ہو کیا زیارت کے لئے نہیں جاتے؟

مسمع نے کہا: بصرہ میں ناصبی اور دشمن زیادہ ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ میری زیارت کی خبر حکومت تک نہ پہنچادیں اور مجھے آزار و تکلیف پہنچائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"أَفَمَا تَذْكُرُ مَا صُنِعَ بِهِ؟"۔

"کیا حضرت امام حسین علیہ السلام پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرتے ہو"؟

میں نے کہا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے سوال کیا: کیا آہ و نالہ اور بے تاب اور غمگین ہوتے ہو؟

میں نے کہا: جی ہاں، خدا کی قسم اتنا روتا ہوں کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں یہاں تک کہ میرے اہل خانہ بھی اس کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس موقع پر کوئی چیز کھا بھی نہیں سکتا ہوں اور غم واندوہ کے آثار میرے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"رَحِمَ اللهُ دَمْعَتَكَ"۔

"خداوند عالم تمہارے رونے پر رحمت نازل کرے"۔

واقعاً تمہارا شمار ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو ہمارے مصائب پر آہ و نالہ کرتے ہیں اور ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے غم میں غمگین ہوتے ہو، بے شک کہ تم مرتے وقت ہمارے آباء واجداد (علیہم السلام) کو اپنے پاس حاضر دیکھو گے اور وہ تمہارے بارے میں ملک الموت سے سفارش کریں گے اور تمہیں ایسی بشارت دیں گے کہ مرنے سے پہلے تمہاری آنکھیں منور ہوجائیں گی اور ملک الموت تم پر بچہ کی نسبت ماں سے بھی زیادہ مہربان ہوجائے گا۔[6]

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"يَا عِبْرَةَ كُلِّ مُؤْمِنٍ! فَقَالَ: أَنَا يَا أَبَتَاهُ، فَقَالَ: نَعَمْ يَا بُنَيَّ"۔[7]

"اے مومنو کے گریے! فرمایا: کیا میں ہوں اے پدر؟ فرمایا: ہاں میرے بیٹے"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ ذُكِرْنَا أَوْ ذُكِرْنَا عِنْدَهُ فَخَرَجَ مِنْ عَيْنِهِ دَمْعٌ مِثْلُ جُنَاحِ بَعُوضَةٍ، غَفَرَ اللهُ لَهُ ذُنُوبَهُ، وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ -[8]

"جو شخص ہمیں یاد کرے، یا اس کے سامنے ہمیں یاد کیا جائے اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کی برابر اشک آجائے خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے چاہے کف دریا کے برابر ہی کیوں نہ ہوں"!

نیز امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

نَفَسُ الْمَهْمُومِ لِظُلْمِنَا تَسْبِيحٌ وَهَمُّهُ لَنَا عِبَادَةٌ وَكِتْمَانُ سِرِّنَا جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللهِ. ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يَجِبُ أَنْ يُكْتَبَ هَذَا الْحَدِيثُ بِالذَّهَبِ -[9]

"ہمارے مصائب پر غمگین ہونے والے شخص کا سانس تسبیح ہے، اور ہمارے مصائب پر غم وغصہ عبادت ہے، اور ہمارے اسرار کو مخفی کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے، اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اس حدیث کو سونے سے لکھنا چاہئے"۔

ابن خارجہ کہتے ہیں کہ: ہم حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد کی اور آپ کے قاتلوں پر لعنت بھیجی۔

فَبَكَى أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَكَيْنَا قَالَ: ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ علیہ السلام: أَنَا قَتِيلُ الْعَبْرَةِ لَا يَذْكُرُنِي مُؤْمِنٌ إِلَّا بَكَى -[10]

"اس موقع پر حضرت امام صادق علیہ السلام نے رونا شروع کیا اور ہم بھی رونے لگے، اس کے بعد امام صادق علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: حسین بن علی (علیہم السلام) نے فرمایا: میں کشتہ اشک ہوں، کوئی بھی مومن مجھے یاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ آنسو بہائے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

مَا مِنْ عَبْدٍ قَطَرَتْ عَيْنَاهُ فِيْنَا قَطْرَةً أَوْ دَمَعَتْ عَيْنَاهُ فِيْنَا دَمْعَةً إِلَّا بَوَّأَهُ اللهُ بِهَا فِي الْجَنَّةِ حُقُباً-.[11]

"جو شخص ہمارے مصائب پر اپنی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو بہائے یا اپنی آنکھوں سے اشک جاری کرے تو خداوند عالم اس کے سبب ان کو بہشت جاویدانی میں جگہ عنایت فرمائے گا"۔

معاویہ بن وھب نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ الْجَزَعِ وَالْبُكَاءِ مَكْرُوهٌ سِوَى الْجَزَعِ وَالْبُكَاءِ عَلَى الْحُسَيْنِ عليه السلام.[12]

"ہر طرح کی آہ و نالہ ناپسند ہے مگر امام حسین علیہ السلام کے اوپر گریہ وزاری"۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

بے شک حضرت امام حسین علیہ السلام بن علی (علیہما السلام) اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اپنے مقتل اور آپ کے ساتھ آنے والے اصحاب کی طرف نظر فرماتے ہیں اور اپنے زائر پر توجہ کرتے ہیں اور اپنے زائروں کے نام، ان کے والدین کے نام اور خدا کے نزدیک ان کے مرتبوں کو انسان کے اپنی اولاد کو جاننے سے زیادہ جانتے ہیں اور یقینا جب آپ ان پر گریہ کرنے والے کو دیکھتے ہیں تو اس کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں اور اپنے آباء و اجداد سے بھی خواہش کرتے ہیں کہ اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔[13]

سید ابن طاؤس، اہل بیت علیہم السلام پر گریہ کے سلسلہ میں اہل بیت علیہم السلام سے ایک عجیب روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا:

جو شخص ہمارے مصائب پر گریہ کرے اور سو لوگوں کو رلائے اس پر جنت واجب ہے،

ور جو شخص خود روئے اور پچاس لوگوں کو رُلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور تیس لوگوں کو رُلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور بیس لوگوں کو رُلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور دس لوگوں کو رُلائے، اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور ایک شخص کو رلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص رونے والے کی صورت بنائے تو اس پر جنت واجب ہے۔ [14]

ہارون مکفوف، حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث کے ضمن میں فرمایا:

جس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کی یاد کی جائے اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کے برابر اشک آجائے اس کا ثواب صرف خدا کے پاس ہے اور خداوند عالم اس کے لئے جنت سے کم پر راضی نہیں ہوگا۔ [15]

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"فَعَلَى مِثْلِ الْحُسَيْنِ فَلْيَبْكِ الْبَاكُونَ فَإِنَّ الْبُكَاءَ عَلَيْهِ يَحُطُّ الذُّنُوبَ الْعِظَامَ...". [16]

"(امام) حسین کے مثل پر رونے والوں کو رونا چاہئے کیونکہ ان پر رونے سے بڑے بڑے گناہ دھل جاتے ہیں..."۔

نیز امام علیہ السلام نے ابن شبیب سے فرمایا:

"يَا ابْنَ شَبِيبٍ! إِنْ كُنْتَ بَاكِياً لِشَيْءٍ، فَابْكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ...".

"اے ابن شبیب! اگر تمھیں کسی چیز پر گریہ آئے تو حسین بن علی بن ابی طالب (علیہم السلام) پر گریہ کرو..."۔

نیز اسی روایت کے ایک حصہ میں فرمایا:

بكت السّماوات السبع والأرضون لقتله إلى أن قال: يابن شبيب! إن بكيت على الحسين حتى تصير دموعك على خدّيك، غفر الله لك كلّ ذنب...۔[17]

"زمین و آسمان نے امام حسین علیہ السلام کے قتل پر گریہ کیا، یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن شبیب! اگر امام حسین علیہ السلام پر اتنا روئے کہ تمہارے آنسو تمہارے رخسار تک آجائیں تو خداوند عالم تمہارے گناہوں کو بخش دے گا..."۔

یہ تھے چند روایات کے نمونے جو اہل بیت علیہم السلام مخصوصاً امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونے کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں، تفصیل گرانقدر اسلامی کتب میں وارد ہونے والی روایتوں کے پیش نظر درج ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ گریہ صرف اسی کا قبول ہے اور خدا کے نزدیک اجر عظیم رکھتا ہے جو مومن ہوگا۔

۲۔ اس مومن کا گریہ اہمیت رکھتا ہے جو اپنی وجودی وسعت کے ساتھ اہل بیت علیہم السلام کا پیرو ہو۔

۳۔ اس انسان کے گریہ کی بہت قدر و قیمت ہے جو خلوص کے ساتھ گریہ کرے اور اپنے گریہ میں خدا اور رسول اور اہل بیت علیہم السلام کی خوشنودی پیش رکھے۔

۴۔ اس انسان کا گریہ باقی رہنے والا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جو اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ نہ کرے اور فسق و فجور اور عصیان میں غرق نہ ہو اور اس کا وجود لوگوں کے لئے شر اور بدبختی کا سبب نہ ہو۔

۵۔ قرآن کریم کی آیات اور روایات کے پیش نظر روز قیامت اس مومن کا گریہ، رحمت الٰہی اور مغفرت پروردگار نیز اہل بیت علیہم السلام کی شفاعت میں تبدیل ہوگا جس میں لازمی

شرائط پائے جاتے ہوں گے۔

قارئین کرام! گزشتہ بات کو ثابت کرنے اور آسانی سے سمجھنے کے لئے درج ذیل مطلب پر توجہ فرمائیں:

قرآن میں تغییر و تبدیل کا مسئلہ [18]

۔مادی پہلو میں

"وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ" [19]

"اور تمہارے لئے حیوانات میں بھی عبرت کا سامان ہے ہم ان کے شکم سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لئے انتہائی خوشگوار معلوم ہوتا ہے"۔

واقعاً تعجب کی بات ہے کہ خداوند عالم کے ارادہ نے گندے گوبر اور خون کہ درمیان سے کہ جس سے انسان نفرت کرتا ہے، کس طرح سفید اور گوارا دودھ (کہ جس سے دیگر بہت سی چیزیں بنتی ہیں) باہر نکالا! اس حقیقت پر توجہ کرنا انسان کو خدا سے جاہل رہنے کی وادی سے خدا پر علم کی بلندی تک پہنچا دیتا ہے۔

قرآن مجید نے شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا:

"ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ..." [20]

"اس کے بعد مختلف پھلوں سے غذا حاصل کرنے اور نرمی کے ساتھ خدائی راستہ پر چلے جس کے بعد اس کے شکم سے مختلف قسم کے مشروب برآمد ہوں گے جس میں پورے عالم

انسانیت کے لئے شفا کا سامان ہے"۔

واقعاً خداوند عالم کا ارادہ کیا کیا کرتا ہے! ایک چھوٹا اور کمزور سا حیوان اپنے چھتے سے باہر آتا ہے اور میلوں کا فاصلہ طے کرتا ہے اور بہت دقیق پہچان کے ساتھ پھولوں پر بیٹھتا ہے اور ان کا مٹھاس کھاتا ہے اور پھر راستے بھولے بغیر واپس ہوتا ہے اور اپنے پیٹ سے ایسا مادہ نکالتا ہے جو بے نظیر اور غذا کے لحاظ سے دنیا بھر کی غذاؤں میں سرفہرست ہے!!

خداوند عالم کا ارادہ پانی مٹی اور ہوا و نور سے پھل، اناج، دانے، دالیں، سبزی جات، پھول اور میٹھی گھاس (کہ جو حیوانوں کے لئے بہترین غذا شمار ہوتی ہے) پیدا کرتا ہے، کہ جن کی تعداد کو کوئی نہیں جانتا اور نہ کیفیت اور تعداد کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے اور نا ھی اس بات کی خبر رکھتا ہے کہ پانی، مٹی، ہوا اور نور کس طرح عقلیں پریشان کرنے والی اور مختلف نعمتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں!!

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ..."[21]

"اس پروردگار نے تمہارے لئے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ بنایا ہے اور پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہاری روزی کے لئے زمین سے پھل نکالے ہیں..."۔

تغیر و تبدیل اور ایک چیز کا دوسری چیز میں بدل جانے کا مسئلہ مادی پہلو سے اس دنیا میں عظیم بیابانوں کی وسعت کے برابر قابل تحقیق و بحث ہے اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو آسانی سے بیان کیا جاسکے اور اس کی تشریح و تفصیل کو چند صفحات میں لکھ دیا جائے۔

معنوی پہلو میں

قرآن کریم کی آیات اور روایات میں غور وفکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو بھی
یک عمل انجام دیتا ہے وہی عمل کی وبیشی کے بغیر بہشت اور رضوان الٰہی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور
اسان کا ہر برا عمل کم وبیشی کے بغیر ہمیشگی عذاب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

واقعی توبہ اور خداوند عالم کی طرف حقیقی طور پر پلٹ جانا خشم وغضب کا رحمت میں
یل ہو جاتا ہے، اور حقیقی نماز برائیوں کا نیکیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور قیامت میں
روایات کے مطابق) ماہ رمضان المبارک کا روزہ آتش جہنم کے لئے مستحکم سپر میں تبدیل
جائے گا۔

عبادتیں اور دیگر اعمال صالحہ بھی ذاتی طور پر اس طرح کی تبدیل کے تحت ہیں اور
مت کے روز اپنی حقیقی اور روحانی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

عالم آخرت میں جو کچھ بھی نیک لوگوں کو جزا یا برے لوگوں کو سزا کے طور پر دیا جائے وہ
خود ان کے اعمال کا تجسم (صورت) ہے جو جنت یا دوزخ کی شکل میں بدل جائیں گے۔

"يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ
دُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا..." [22]

"اس دن کو یاد کرو جب ہر نفس اپنے نیک اعمال کو بھی حاضر پائے گا اور اعمال بد کو بھی
جس کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ کاش ہمارے اور ان برے اعمال کے درمیان طویل فاصلہ
جاتا...."

"وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ
هُمْ لَا يُظْلَمُونَ" [23]

"اس دن سے ڈرو جب تم سب پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے جاؤ گے۔ اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (کیونکہ اس کو ملنے والی جزا یا سزا خود ان کے اعمال کی حقیقی تصویر ہوگی"۔

ان سب سے زیادہ روشن آیت یتیم کا ناحق مال کھانے کے سلسلہ میں ہے کہ جس میں یہ بات یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ (یتیم کا) مال کھانے والوں کے پیٹ میں آگ ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا"[24]

"جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے"۔

یعنی ناحق یتیم کے مال کا کھانا آگ کھانا ہے لیکن چونکہ کھانے والے دنیا میں ہیں نہیں سمجھتے، جب بدن کا حجاب ہٹ جائے گا اور اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو یہی کھایا ہوا مال بھڑکتی ہوئی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہ لوگ اسی آگ میں جلیں گے۔

آخرت کی سزائیں عمل کی صورت ہے، وہاں کی جزا یا سزا یہی نیک و بد اعمال ہیں کہ جب آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے تو جسم اور صورت پیدا کر لیں گے۔

قرآن مجید کی تلاوت خوبصورت شکل میں ظاہر ہوگی اور انسان کے پاس قرار پائے گی، غیبت اور دوسروں کے دلوں کو دکھانا دوزخی کتوں کی غذا کے شکل میں ظاہر ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ ہمارے اعمال ایک ملکی (ظاہری) صورت رکھتے ہیں جو وقتی اور فانی ہوتی ہے اور وہ یہی ہے جو اس دنیا میں عمل یا گفتگو کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اور ایک صورت ملکوتی (معنوی) ہوتی ہے کہ جو ہم سے ہونے کے بعد کبھی بھی ختم نہیں ہوتی اور ہمارے ساتھ ہماری اولاد کی طرح جدا نہ ہونے والی ہیں۔

ہمارے اعمال ملکوتی شکل اور غیبی صورت میں باقی ہیں اور ایک روز بھی ہمارے
ل ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے اور ہم ان کو انھیں شکل وصورت میں مشاہدہ کریں گے، اگر
رے اعمال نیک، زیبا اور لذت بخش ہیں تو وہ ہمارے لئے جنت اور اگر برے اور ناپسند ہیں تو
آتش جہنم بن جائیں گے۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک عورت پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں ایک
مسئلہ دریافت کرنے کے لئے مشرف ہوئی، وہ پستہ قد تھی، اس کے جانے کے بعد عائشہ نے اس
پستہ قد ہونے کو ھاتھوں کے ذریعہ اشارہ کیا، رسول اکرم (ص) نے عائشہ سے فرمایا: تم جاؤ
خلال کرو! عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے کوئی چیز نہیں کھائی ہے؟! آنحضرت (ص) نے
یا: خلال کرو، چنانچہ عائشہ نے جب خلال کیا تو اس کے منھ سے گوشت کے ٹکڑے نکلے!

حقیقت میں آنحضرت (ص) نے ملکوتی تصرف اور ملکوتی واقعیت اور اخروی غیبت کو
اسی دنیا میں عائشہ کو دکھا دیا۔[25]

قرآن کریم غیبت کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

"... وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ..."[26]

"اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا
پنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم اسے برا سمجھو گے"۔

ایک حدیث میں منقول ہے:

إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ إِلَيْكُمْ.

"یہ عذاب وہی تمہارے اعمال ہیں جو تمہاری طرف پلٹائے گئے ہیں"۔[27]

جلال الدین محمد بلخی اسی طرح کی آیات وروایات کے پیش نظر اس بات کی وضاحت

کرتے ہیں کہ مومن انسان کی تمام نیکیاں ہمیشگی جنت ونعیم میں بدل جاتی ہیں اور بدکاروں کی برائیاں ہمیشگی عذاب میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

قارئین کرام! ایک چیز کا دوسری چیز میں بدل جانے سے متعلق متعدد آیات اور روایات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ ایسا ہونا اہل بیت علیہم السلام کے کلام میں جائے تعجب نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر معصومین مظلومین علیہم السلام پر گریہ قیامت کے روز طلب کی صورت میں رحمت ومغفرت اور شفاعت میں تبدیل ہو جائے گا؟

....

[1] قرآن مجید میں مختلف آیات اشک وگریہ اور عزاداری کے جواز بلکہ ان کے رجحان پر اشارہ کرتی ہیں، جیسے:

"لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ..."

(سورہ نساء (۴)، آیت ۱۴۸)

"اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان برا کہنے کو پسند نہیں کرتا..."

عزاداری بھی مظلوموں کی ستمگروں کے خلاف فریاد بلند کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

"... قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ..."

(سورہ شوریٰ (۴۲)، آیت ۲۳)

"... آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو"۔

دوستی اور ہمدردی کی اہم نشانیوں میں سے مصائب پر سوگ منانا اور عزاداری کرنا ہے۔

جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں:

"ان اللہ تبارك و تعالی اطلع الی الارض فاختارنا و اختار لنا شیعة ینصروننا و یفرحون لفرحنا و یحزنون لحزننا و یبذلون اموالھم و انفسھم فینا اولئك منا و الینا"۔ (بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۸۷)

"خداوند عالم نے ہمیں اپنے بندوں کے درمیان سے منتخب کیا، اور ہمارے لئے ہمارے شیعوں کو منتخب کیا کہ ہمیشہ ہماری خوشی وغم میں شریک رہیں اور جان و مال سے ہماری مدد کرتے رہیں، وہ ہم سے ہیں اور وہ ہماری طرف آئیں گے"۔

"وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ" (سورہ حج (۲۲) آیت۳۲)

"اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی"۔

اہل بیت علیہم السلام پر اشک وگریہ اور عزاداری کرنا دینی نشانیوں کی تعظیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند جناب یوسف علیہ السلام کے فراق میں ۷۰ سال تک گریہ کیا یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی جاتی رہی۔

"وَقَالَ يَا أَسَفَى عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ"۔ (سورہ یوسف (۱۲)، آیت ۸۴)

"اور کہا کہ افسوس ہے یوسف کے حال پر اور اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں اور غم کے گھونٹ پیتے رہے"۔

اور نبی الٰہی (جناب یعقوب علیہ السلام) کے اس عمل کی خداوند عالم نے تائید کی، تو اس صورت میں کیا اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کہ جو تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ اور تمام مخلوقات کا خلاصہ ہیں ان کے فراق میں عزاداری اور اشک وگریہ کرنا اشکال رکھتا ہے؟!

[2] مولوی، مثنوی معنوی، دفتر پنجم.

[3] مولوی، مثنوی معنوی، دفتر پنجم.

[4] سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۸۳.

[5] امالی، صدوق، ص ۷۳، مجلس ۱۷، حدیث ۴؛ نفس المهموم، ص ۴۰؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۱.

[6] کامل الزیارات، ص ۱۰۱، باب ۳۲، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۹، باب ۳۴، حدیث ۳۱.

[7] کامل الزیارات، ص ۱۰۸، باب ۳۶، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۰، باب ۳۴، حدیث ۱۰.

[8] تفسیر قمی، ۲، ص ۲۹۲؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۳.

[9] امالی، طوسی، ص ۱۱۵، مجلس ۴، حدیث ۱۷۸؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۰۵؛ امالی، مفید، ص ۳۳۸، مجلس ۴۰ حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۴.

[10] کامل الزیارات، ص ۱۰۸، باب ۳۶، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۹، باب ۳۴، حدیث ۵؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۱، باب ۴۹، حدیث ۱۲۰۷۲.

[11] امالی، طوسی، ص ۱۱۶، مجلس ۴، حدیث ۱۸۱؛ امالی، مفید، ص ۳۴۰، مجلس ۴۰، حدیث ۶؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۶۴؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۹، باب ۳۴، حدیث ۸.

[12] امالی، طوسی، ص ۱۶۱، مجلس ۶، حدیث ۲۶۸؛ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۸۲، باب ۸۷، حدیث ۳۶۵۷؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۰، باب ۳۴، حدیث ۹.

[13] امالی، طوسی، ص ۵۴، مجلس ۲، حدیث ۷۴؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۷۷؛ وسائل

الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۴۲۲، باب ۳۷، حدیث ۱۹۵۰۸؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۱، باب ۳۴، حدیث ۱۳.

[14] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۸، باب ۳۴، حدیث ۲۷.

[15] کامل الزیارات، ص ۱۰۰، باب ۳۲، حدیث ۳.

[16] امالی، صدوق، ص ۱۲۸، مجلس ۲۷، حدیث ۲؛ روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۵۰۴، باب ۶۶، حدیث ۱۹۶۹۷؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۳، باب ۳۴، حدیث ۱۷.

[17] عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۹، باب ۲۸، حدیث ۵۸؛ امالی، صدوق، ص ۱۲۹، مجلس ۲۷، حدیث ۵؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۵۰۲، باب ۶۶، حدیث ۱۹۶۹۴؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵، باب ۳۴، حدیث ۲۳.

[18] ممکن ہے جو لوگ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے آشنائی نہ رکھتے ہوں یا جاہل لوگوں یا علم اور روشن فکری کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں سے رابطہ کی وجہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام سے گریہ کے سلسلہ میں منقول بعض روایات کو ذہن سے دور قرار دیں اور ان کا یقین نہ کریں، یہ بحث ایک پیش خیمہ کے عنوان سے ہے کہ اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام مخصوصاً حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر گریہ کس طرح مغفرت اور شفاعت میں تبدیل ہو سکتا ہے؟

[19] سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۲۶.

[20] سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۶۹.

[21] سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۲.

[22] سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۰.

[23] سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۸۱.

[24] سورۂ نساء (۴)، آیت ۱۰.

[25] المحاسن، ج ۲، ص ۳۶۰، باب ۵۴، حدیث ۴۱۰؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۵۶، باب ۶۶، حدیث ۴۵.

[26] سورۂ حجرات (۴۹)، آیت ۱۲.

[27] الحکایات، ص ۸۵؛ عدل الٰہی، ص ۲۴۳.

گریہ سے متعلق ایک دلچسپ مناظرہ

ایک بہت ہی پڑھے لکھے واعظ نے منبر پر تقریر کے دوران امام حسین علیہ السلام پر رونے کے سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کیں جن میں ایک یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کل عین باکیة یوم القیامة الا عین بکت علی مصائب الحسین انها ضاحکة مستبشرة بنعیم الجنة" (بحار، ج۴۴ص۲۹۳۔)

"روز قیامت ہر آنکھ گریہ کناں ہوگی لیکن امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رونے والی آنکھیں خدا کی نعمت دیکھ کر ہشاش وبشاش ہوں گی"۔

منبر سے اترنے کے بعد ایک سامع اور واعظ کے درمیان حسب ذیل طریقہ سے مناظرہ ہوا:

سامع: "یہ تمام اجر وثواب گریہ امام حسین علیہ السلام پر کیوں ہے؟ جب کہ امام حسین علیہ السلام نے عظیم انقلاب لاکر کامیاب وسربلند ہوئے اور اپنے خون سے یزیدیوں کو رسوا کیا اور ان کے چہرے ہمیشہ کے لئے کالے کردیئے اور آخرت میں اس کے بدلے آپ کو بہترین مقام دیا گیا ہے اور آج بھی آپ برزخ اور جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہورہے ہیں۔ اور اسلامی نظریہ کے مطابق امام حسین علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔(سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹)

"اور اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اور ا پروردگار سے رزق پاتے ہیں"۔

واعظ: "میں نے ایسی متعدد روایتیں دیکھی ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ وزار اور عزاداری کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس گریہ وزاری کو برابر زندہ رکھنے کے بارے میں ک گیا ہے اور شیعہ وسنی دونوں روایتوں میں آیا ہے کہ روز قیامت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خداو متعال کی بارگاہ میں اس طرح عرض کریں گی:

"اللھم اقبل شفاعتی فیمن بکی علی ولدی الحسین"۔

"پالنے والے میرے بیٹے حسین پر گریہ کرنے والوں کے لئے میری شفاعت قبول کر"۔

اسی روایت کے ذیل میں آیا ہے:

"فیقبل الله شفاعتها ویدخل الباکین علی الحسین علیہ السلام فی الجنة"۔(الاحتجاجات العشرة ص۲۰)

"خداوند عالم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شفاعت قبول کرے گا اور امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے والوں کو جنت میں داخل کرے گا"۔

متعدد روایتوں کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا ہے اور عزاداری برپا کی ہے۔

کیا اگر ہم اولیائے خدا اور بارگاہ خداوندی کے مقرب بندوں کی پیروی میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ کریں تو کوئی اعتراض کا مقام ہے؟ نہیں قطعاً نہیں، بلکہ اس عظیم سنت کو زند

کرنے اور ائمہ علیہم السلام کی اس چیز کی اقتداء میں بہت ہی اجر وثواب ہے یہاں پر ائمہ معصومین علیہم السلام نے گریہ امام حسین علیہ السلام کو کتنی اہمیت دی ہے اس کے بارے میں سے دو عجیب واقعے نقل کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ایک روز امام سجاد علیہ السلام نے سنا: ایک شخص بازار میں یہ کہہ رہا ہے: میں ایک مسافر ہوں مجھ پر رحم کرو۔ (انا الغریب فارحمونی)

امام سجاد علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے فرمایا:

"اگر تیری قسمت اسی (شہر مدینہ میں) مرنا ہوگی تو کیا یہاں تیری لاش کو بے گوروکفن چھوڑ دیا جائے گا؟"

اس غریب مرد نے کہا: "اللہ اکبر کس طرح میرے جنازہ کو دفن نہیں کریں گے جب کہ میں مسلمان ہوں اور اسلامی امت کی آنکھوں کے سامنے ہوں"۔

امام سجاد علیہ السلام نے روتے ہوئے فرمایا:

"وا اسفاه علیك یا ابتاه. تبقی ثلاثة ایام بلا دفن وانت ابن بنت رسول الله"۔

(ماساۃ الحسین، تالیف: الخطیب شیخ عبدالوہاب الکاشی، ص ۱۵۲)

"کتنے افسوس کی بات ہے اے میرے بابا! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہوتے ہوئے بھی آپ کی لاش تین روز تک بے گوروکفن زمین پر پڑی رہی"۔

۲۔ تاریخ میں آیا ہے کہ منصور دوانقی (دوسرا عباسی خلیفہ) نے مدینہ میں اپنے والی کو حکم کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر میں آگ لگا دو۔

والی مدینہ نے حکم پانے کے بعد آگ اور لکڑی جمع کروائی اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر میں آگ لگا دی اور گھر کے دالان سے جب شعلے بھڑکنے لگے تو مخدرات عصمت گھر میں

رونے پیٹنے لگیں یہاں تک کہ ان کی آواز گھر سے باہر پہنچ گئی امام جعفر صادق علیہ السلام نے بڑی مشکل سے آگ بجھائی اس کے دوسرے دن کچھ شیعہ حضرات آپ کی احوال پرسی کے لئے گئے تو دیکھا کہ آپ محزون ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا: "کیا دشمنوں کے اس عمل اور ان کی گستاخی پر آپ گریہ کر رہے ہیں جب کہ آپ کے خاندان کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پہلی دفعہ نہیں ہوا ہے؟"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: "میں کل کے واقعہ پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس بات پر رو رہا ہوں کہ جب گھر میں آگ کا شعلہ بھڑکنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے ہوئے عورتیں اور بچیاں ایک کمرے سے دوسرے کمرے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ کر پناہ لے رہی تھیں تا کہ انھیں آگ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

"فتذكرت عيال جدي الحسين يوم عاشوراء لما هجم القوم عليهم ومناديهم ينادي احرقوا بيوت الظالمين".

(ماساۃ الحسین، تالیف: الخطیب شیخ عبدالوہاب الکاشی، ص ۱۳۵، ۱۳۶)

تو اس وقت مجھے روز عاشورہ اپنے جد امام حسین علیہ السلام کے مصیبت زدہ اہل حرم کی یاد آگئے جب ایک منادی ندا دے رہا تھا کہ ظالموں کے گھروں کو جلا دو"۔

دو مذکورہ واقعے اور اس کے علاوہ بہت سے قرائن سے سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام ائمہ ہمیشہ چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور ان کی عزاداری برابر لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے اسی بنیاد پر ہم ان کی پیروی میں امام حسین علیہ السلام کی مصیبت زندہ رکھنے کے لئے ان کرتے ہیں اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس عمل پر ہمیں عظیم اجر و ثواب عطا ہوگا۔

امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر گریہ کرنا اور غمگین ہونا اتنا عظیم اور مقدس عمل ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام زیارت امام حسین علیہ السلام کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"السلام علی الجیوب المضرجات۔

"سلام ان گریبانوں پر جو امام حسین علیہ السلام علیہ السلا کے غم میں چاک ہوئے ہوں"۔

(الوقائع والحوادث، ج ۳، ص ۳۰۷)

سامع: "آپ کی اس راہنمائی کا بہت بہت شکریہ، بیشک ہمیں اپنی زندگی میں چاہئے کہ ہم ائمہ علیہم السلام کو اپنے لئے نمونہ علیہ السلام عمل قرار دیں، لیکن یہاں میرا مطلب یہ ہے کہ تمام احکام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہیں تمام احکام اپنے ساتھ ایک ہدف لئے ہوئے ہیں اور کتنا بہتر ہے اگر ہم ان تمام احکام کو بامعرفت انجام دیں نہ کہ اندھی تقلید کرتے ہوئے۔

اسی بنا پر میرا سوال یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کا کیا مقصد اور کیا سبب ہے؟"

واعظ: "امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور اس کے مقصد کی وضاحت کے سلسلے میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں:

ا۔ شعائر اللہ کی تعظیم: مرحوم مومن پر گریہ کرنا ایک طرح کا احترام ہے اور یہ گریہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معاشرہ میں اس کے چلے جانے سے ایک خلا واقع ہوگیا ہے اور وہ اب موجود نہیں ہے تاکہ لوگ اس کے وجود سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ گریہ اس کے باطنی احساسات ہیں جو مومن کے دنیا سے چلے جانے پر وجود میں آتے ہیں کیونکہ جب وہ مومن اس دنیا میں تھا لوگ اس سے مختلف طرح سے مستفید ہوتے رہتے تھے، گریہ ایک فطری عمل ہے اور جو شخص جتنا عظیم ہوگا دنیا والے اس پر اسی حساب سے زیادہ گریہ کریں گے۔ جو دنیا سے جاتا ہے اور اس کے اوپر کوئی گریہ نہیں کرتا تو گویا یہ اس کی ایک طرح کی بے احترامی ہے۔

ایک شخص نے امام علی علیہ السلام سے پوچھا: "نیک اخلاق کیا ہے؟"

آپ نے جواب دیا:

"ان تعاشروا الناس معاشرة ان عشتم حنوا الیکم وان متم

بکوا علیکم۔ (ماساۃ الحسین علیہ السلام، ص۱۲۷)

"لوگوں سے اس طرح سلوک کرو کہ جب تک زندہ رہو وہ تمہارے اشتیاق میں تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں اور جب تم مرجاو توتم پر گریہ کریں"۔

ہر قوم وملت میں یہ رسم پائی جاتی ہے کہ جب بھی اس کے درمیان سے کوئی بزرگ شخصیت اٹھ جاتی ہے تو لوگ اس کے انتقال پر گریہ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں امام حسین علیہ السلام اوران کے اصحاب کی دین محمدی پر شہادت بھی ایک عظیم اور ہمیشہ باقی رہنے والا واقعہ ہے جس پر گریہ کرنا ان کے ہدف ومقصد کو زندہ رکھنا دینی شعائر کی تعظیم سمجھا جاتا ہے۔

اور قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

(سورۂ حج آیت ۳۲)

"اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی۔۔۔"

۲۔ عاطفی گریہ: امام حسین علیہ السلام اوران کے اصحاب کی ایک روز (عاشورا) میں جگر سوز شہادت ہر انسان کے دل کو کباب کردیتی ہے اور ہر انسان کا دل ظالم وستمگر کے خلاف برانگیختہ ہوجاتا ہے کربلا کا المناک واقعہ اس قدر دل ہلادینے والا ہے کہ اسے زمانہ نہ کبھی بھلا سکتا ہے اور نہ ہی اسے پرانا بنا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر: عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں نے انھیں پھانسی دے کر قتل کردیا اب تم معلوم کرسکتے ہو کہ عیسائی اس یاد کو دنیا کے چپہ چپہ میں لوگوں کے دلوں میں تازہ کرتے ہیں اور غم کا اظہار کرتے ہیں یہاں تک کہ صلیب اپنے لباس اور اپنے کلیسا وغیرہ پر نصب کرکے اسے اپنی علامت قرار دیتے ہیں۔

جب کہ قتل عیسیٰ (عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق) واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے بہت ہی کم اہمیت کا حامل ہے۔

اسی وجہ سے امام حسین علیہ السلام پر گریہ اوران کی عزاداری لوگوں کی محبت کو برانگیختہ ہونے اوران کے عظیم اہداف تک پہنچنے کا سبب بنتی ہے۔

ایک استاد کے بقول: "عقل کی ترجمان ہمیشہ زبان رہی ہے لیکن عشق کا ترجمان آنکھ ہے جہاں احساس اور درد ہوں اور آنسو گریں وہاں عشق ضرور پایا جاتا ہے لیکن جہاں لفظوں کو رتیب دے کر جملہ چھانٹے وہاں عقل پائی جاتی ہے"۔

اس بنا پر جس طرح مقرر کے زبردست دلائل اور پرزور خطابت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اس خاص مذہب سے وابستہ ہے اسی طرح آنکھوں سے گرنے والا آنسو کا ایک قطرہ دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کی طرح ہوتا ہے۔(انگیزہ پیدائش مذہب، ص ۱۵۰)

مقاصد کی تکمیل اور دشمن کی مغلوبیت کے لئے احساساتی پہلو ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا ان کو یکسر نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ یہ بھی کسی انقلاب کی آہنیں ہوا کرتے ہیں۔

۳۔ گریہ تائید ہے: امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا ایک طرح سے ان کے قیام اوران کے اہداف کی تائید ہے یہ گریہ عمیق ترین شعور و احساسات کو دشمنوں اور ستمگروں کے خلاف ابھارتا ہے جس کے معنی یہ ہیں: اے امام حسین علیہ السلام! آپ ہمارے قلب و جان اور احساسات کے گھروں میں پ موجود ہیں":

زندہ در قبر دل ما بدن کشتہ تو است

جان مائی و تو را قبر حقیقت دل است

یہ زبان حال شیعہ ہے جو ہر زمان و مکان میں تین ستونوں پر استوار ہے۔

اے ہمارا قلب اس مبداء ایمان کی خاطر تلاش کرتا ہے جس کے لیے امام حسین علیہ السلام قتل

کئے گئے۔

۲۔ ہمارے کان ان کی سیرت وگفتار کو سنتے ہیں۔

۳۔ ہماری آنکھیں آنسو بہا کر کربلا کے دردناک واقعہ کو لوگوں کے دلوں پر نقش

ہیں۔

اگر مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے گریہ ہوا تو یہ سو فی صد ایک بہا فطرت تقاضہ کے تحت عمل میں آیا ہے اس طرح کے گریہ میں کوئی حرج کی بات کیا بلکہ یہ توام حسین علیہ السلام کے قیام وانقلاب کے لئے بہت سے فوائد کا حامل بھی ہے۔

۴۔ پیام آور اور رسوا گر گریہ: ہر انسان جب امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی کیفیت شہادت سنتا ہے کہ وہ بھوکے پیاسے عورتوں اور بچوں کے سامنے جلتی ہوئی زمین پر شہید کر دیئے گئے تو بے اختیار اس کے قلب ودماغ میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پورے وجو سے یزید کی پلیدی اور قساوت قلبی پر لعنت وملامت کرتا ہے۔

اسی طرح امام حسین علیہ السلام پر گریہ ہر زمان مکان میں ظلم اور ظالم کے خلاف ایک وا اور ایک طرح کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور کبھی کبھی یہی گریہ دشمن کو کچلنے کا بہتر ذریعہ بن ہو جاتا ہے۔ لہذ جہاں بھی گریہ بے رحم دشمنوں کی رسوائی کا سبب بنے اور الہی لوگوں تک پہنچ جائے تو اسے ایک قسم کا نہی عن المنکر دین کے راستے کو استوار کرنے اور ظلم و جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں عملی اقدام کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ گریہ کی چند قسمیں ہیں جیسے خوف خدا سے گریہ، شوق کا گریہ، محبت کا گر وپیام آور گریہ وغیرہ اگر اس گریہ کا صحیح اور مناسب مقصد ہو تو یہ گریہ اپنی تمام قسموں میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔

ہاں ایک گریہ مایوسی، لاچاری، عاجزی اور شکست کی وجہ سے ہوتا ہے جسے گریہ ذلت

کہتے ہیں اور اس طرح کا گریہ ان عظیم ہستیوں سے بہت دور ہے اور اولیائے خدا اور اس کے آزاد بندے اس طرح کا گریہ کبھی نہیں کرتے۔

اسی طرح گریہ اور عزاداری کی دو قسم ہے "مثبت اور منفی" منفی گریہ قابل مذمت اور نقصان دہ ہے لیکن مثبت گریہ اپنے ساتھ بہت سے اصلاحی فوائد لئے ہوئے ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ گریہ کبھی کبھی نہی عن المنکر اور طاغوتیوں کے خلاف قیامت برپا کرنے اور جہاد کی صف میں کھڑے ہو کر جنگ کرنے کا سب سے اچھا اسلحہ ثابت ہوتا ہے۔

سامع: "میرے سوال کے جواب میں آپ کے منطقی جامع اور مانع بیان کا بہت شکریہ۔

واعظ: "یہاں پر اس مناظرہ کی تکمیل میں کچھ اور باتیں بتاتا چلوں:

اسلام کے بعض دستورات میں سیاسی پہلو بھی لایا جاتا ہے، چنانچہ عزاداری کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ گریہ کرنے یہاں تک کہ رونے والوں جیسی صورت بنانے (تباکی) میں ایک سیاسی پہلو پوشیدہ ہے، (جیسا کہ مناظرہ نمبر ۸۱ میں آپ نے امام محمد باقر علیہ السلام کی اپنے اوپر دس سال تک گریہ کرنے کی وصیت میں پڑھا۔)

ائمہ علیہم السلام واقعہ کربلا کے سبب عزاداری کے ضمن میں حق و باطل کے چہرہ کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو غفلت سے نکالنا چاہتے تھے، لہٰذا انھوں نے ہر موقع اور مناسبت سے واقعہ عاشورہ کو زندہ رکھا، یہاں تک کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"امام سجاد علیہ السلام کی انگوٹھی کے نگینہ پر یہ لکھا تھا:

"خزیٰ وشقی قاتل الحسین بن علی علیہ السلام" ۔(منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳۔)

"حسین بن علی علیہ السلام کا قاتل ذلیل اور رسوا ہوا"۔

حقیقتاً امام سجاد علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی پر اس جملہ کو صرف اس لئے کندہ کروا رکھا تھا کہ

شہادت امام حسین علیہ السلام لوگوں کے دلوں میں تازہ دم ہوتی رہے اور لوگوں کی نظر جب بھی میری اس انگوٹھی پر پڑے تو انھیں بنی امیہ کے مظالم یاد آجائیں اور سیاسی لحاظ سے بیدار رہیں۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور گریہ دو طرح کا ہے۔ مثبت و منفی، اب اس میں منفی اور قابل مذمت وہ گریہ ہے جو رونے والوں کے عجز و ناتوانی اور شکست کو ثابت کرے لیکن مثبت وہ گریہ ہے جو لوگوں کی عزت، شجاعت، صلاحیت اور بیداری کا سبب بنے۔

قاتلین حسین علیہ السلام کی حقیقت

وہابی: "شیعہ لوگ جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور ان پر گریہ کرتے ہیں وہ اس لئے کہ اپنے اباء واجداد کے گزشتہ ظلم کا جبران کریں کیونکہ انھیں کے باپ داداؤں نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو قتل کیا، اور پھر ان لوگوں نے توبہ کی اور اس طرح انھوں نے توابین (زیادہ توبہ کرنے والوں) کے عنوان سے اپنے گزشتہ ظلم وستم کا جبران کرنا چاہا"۔

شیعہ: "تم شیعوں پر یہ تہمت کس ماخذ اور حوالہ سے پر لگا رہے ہو؟"

وہابی: "جو لوگ کربلا میں امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے آئے تھے وہ شام وحجاز اور بصرہ کے نہیں تھے بلکہ سب کے سب کوفہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت کوفہ میں اکثر شیعہ ہی رہتے تھے، انھیں لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا"۔

شیعہ: "اولاً اگر بفرض محال شیعوں ہی میں سے کچھ لوگ خوف وفریب سے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب شیعہ اور اس کے تمام ماننے والوں نے امام حسین علیہ السلام سے منحرف ہو کر یزید کے راستہ کو اختیار کر لیا تھا، عموما یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر مذہب وملت میں کچھ نہ کچھ لوگ اپنے مذہب سے منحرف ہو جاتے ہیں لیکن ان کا عمل مذہب کے بے بنیاد ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا ہے، ثانیاً یہ کہ حقیقت میں یہ سب باتیں

محض تہمتیں ہیں جو بالکل بے بنیاد اور جھوٹی ہیں"۔

امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کی حقیقت کے سلسلے میں ایک مناظرہ

وہابی: "شیعہ لوگ جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور ان پر گریہ کرتے ہیں وہ اس لئے کہ اپنے آباء واجداد کے گزشتہ ظلم کا جبران کریں کیونکہ انھیں کے باپ دادا و علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو قتل کیا، اور پھر ان لوگوں نے توبہ کی اور اس طرح انھوں نے توابین (زیادہ توبہ کرنے والوں) کے عنوان سے اپنے گزشتہ ظلم وستم کا جبران کرنا چاہا"۔

شیعہ: "تم شیعوں پر یہ تہمت کس ماخذ اور حوالہ سے پر لگا رہے ہو؟"

وہابی: "جو لوگ کربلا میں امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے آئے تھے وہ شام و حجاز اور بصرہ کے نہیں تھے بلکہ سب کے سب کوفہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت کوفہ میں اکثر شیعہ ہی رہتے تھے، انھیں لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا"۔

شیعہ: "اولاً اگر بفرض محال شیعوں ہی میں سے کچھ لوگ خوف وفریب سے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب شیعہ اور اس کے تمام ماننے والوں نے امام حسین علیہ السلام سے منحرف ہو کر یزید کے راستہ کو اختیار کرلیا تھا، عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر مذہب وملت میں کچھ نہ کچھ لوگ اپنے مذہب سے منحرف ہو جاتے ہیں لیکن ان کا عمل مذہب کے بے بنیاد ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا ہے، ثانیاً یہ کہ حقیقت میں یہ سب باتیں محض تہمتیں ہیں جو بالکل بے بنیاد اور جھوٹی ہیں"۔

وہابی: "کیوں اور کس دلیل سے؟"

شیعہ: "سپاہیوں کا وہ لشکر جو کوفہ سے کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے آیا تھا ان میں اکثر خوارج، بنی امیہ اور وہ منافق تھے جو حضرت علی علیہ السلام حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس سے

ئے گئے تھے اور اس لشکر کے تمام سردار حکومت علی علیہ السلام کے مخالفین میں سے تھے جن کو حضرت علی علیہ السلام نے معزول کر دیا تھا اور وہ لوگ خاندان رسالت علیہم السلام کے معتوب شمار کئے جاتے تھے جن سے ابن زیاد نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

اور زیادہ تر اس گروہ مرتزقہ (خریدے ہوئے غیر عرب افراد) سے تعلق رکھتے تھے جنھیں بنی امیہ نے اپنی داخلی شورش کے کارکنوں کی سرکوبی کے لئے محفوظ کر رکھا تھا اس بنیاد پر کربلا میں جنگ کرنے والے شیعہ ہرگز نہیں تھے۔[1]

وضاحت: اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں شیعوں کی اکثریت تھی لیکن آپ کی شہادت کے بعد معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں اس کے جلادوں کی اذیت اور اور علیہ السلام اس کے خوف کی وجہ سے وہ بھاگ گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے تھے اور معاویہ کے پالے ہوئے ظالموں نے اکثر کو قتل کر دیا تھا اور بہت سے بچے ہوئے لوگوں کو کوفہ سے نکال دیا یہاں تک کہ زیاد ابن ابیہ (عراق میں معاویہ کا گورنر) کے زمانہ میں تمام شیعوں کو قتل کر دیا گیا یا زندان میں ڈال دیا گیا تھا اور یا تو وہ لوگ کوفہ سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے، معاویہ کے زمانہ میں اگر کسی پر کفر و الحاد اور شرک کا جرم عائد ہوتا تو اس کے لئے نہ کوئی سزا تھی اور نہ کوئی خوف تھا لیکن کسی کو شیعہ کہنا اس کے جان و مال اور اس کے گھر کو ویران کرنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا زیاد ابن ابیہ "سمیہ روسپی" کا بیٹا تھا جب یہ کوفہ کے دار الامارۃ میں مقرر ہو گیا تو معاویہ نے اسے لکھا: "اے زیاد! جو لوگ علی (علیہ السلام) کے مذہب پر زندگی گزار رہے ہیں انھیں قتل کر دو اور قتل کے بعد ان کے ناک کان کاٹ لو"۔ زیاد نے مسجد میں اہل کوفہ کو بلوا کر کہا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کریں اگر کوئی ان پر لعنت نہیں کرے گا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔[2]

منقول ہے کہ زیاد ابن ابیہ "سعد بن سرح" نامی شخص کے قتل کے درپے تھا، امام حسن علیہ السلام نے زیاد کو اپنے خط کے آخر میں لکھا کہ سعد بن سرح بے گناہ مسلمان ہے اس کا پیچھا

چھوڑ دے۔

زیاد نے امام حسن علیہ السلام کے خط کے جواب میں لکھا: "کہیں نہ کہیں وہ میرے ہاتھ ہی جائے گا اور اسے میں اس لئے قتل کردوں گا کہ وہ تمہارے (نعوذ باللہ) فاسق باپ سے م کرتا ہے"۔[3]

زیاد ابن ابیہ کی ایک ظلم یہ تھا کہ اس نے "سمرہ بن جندب" کو کوفہ اور بصرہ میں جانشین بنا دیا تھا اور زیاد ابن ابیہ کے مرنے کے بعد معاویہ نے سمرہ کو اس کے عہدہ پر باقی ،سمرہ کی خونخواری کی انتہا یہ تھی کہ اس نے ایک مرتبہ ۸۰ ہزار افراد کو نہایت دردناک طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔[4]

عدوی کہتے ہیں: سمرہ نے ایک دن صبح کو ہمارے ۴۷ / افراد کو بے رحمی سے قتل کر، جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔[5]

سرفہرست افراد جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی ، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، عمر حمق وغیرہ معاویہ کے خرید ہوئے مزدوروں کے سبب شہید کر دیئے گئے۔

معاویہ کی بھیانک اور خطرناک حکومت ایسی تھی کہ عمر بن حمق کا کٹا ہوا سر زندان ان کی بیوی کے لئے بھیجا گیا،[6] اور کوفہ کی فضا اتنی خطرناک حد تک دل ہلا دینے والی تھی کہ لوگ اپنے نزدیک ترین افراد پر بھی اس وجہ سے اطمینان نہیں رکھتے تھے کہ کہیں یہ معاویہ کا جاسوس نہ ہو۔

علامہ امینی لکھتے ہیں: "اس بات کی طرف توجہ رہے کہ زیاد بن ابیہ کوفہ کے تمام افر پہچانتا تھا کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانہ میں وہ انھیں لوگوں کا جزء تھا اور وہ تمام شیعوں کو جانتا تھا جس کی وجہ سے اگر کسی شیعہ نے پتھر کی آڑ میں یا کسی بل میں بھی پناہ لے رکھی تھی تو اسے تلاش کروا کر قتل کر دیتا اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیتا اور ان کی آنکھوں کو پھوڑ کر پھانسی

چڑھا دیتا اور بعض کو شہر بدر کروا دیتا تھا نتیجہ میں شیعہ نام کا ایک شخص بھی کوفہ میں باقی نہیں رہ گیا تھا۔[7]

مختصر یہ کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں چار ہزار یا پانچ ہزار شیعہ کوفہ میں نہیں بچے تھے اور ابن زیاد جب تخت پر آیا تو ان افراد کو بھی پکڑوا لیا اور امام حسین علیہ السلام کے عراق میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ان سب کو جیل میں ڈال دیا شیعوں کی تعداد اس زمانہ میں بس انہیں افراد پر مشتمل تھی جو یزید کے مرنے اور زیاد ابن ابیہ کے بصرہ جانے کے بعد زندان کے دروازوں کو توڑ کر باہر نکل آئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کیا تھا لیکن اس وقت تک امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو چار سال گزر چکے تھے اور جناب مختار کا قیام اس وقت تک عمل میں نہیں آیا تھا۔

زندان سے نکلے ہوئے یہ تمام شیعہ ۹۳ سالہ "سلیمان بن صرد خزاعی" کی قیادت میں سپاہ شام سے جنگ کے لئے روانہ ہو گئے نتیجہ میں سلیمان اور اس کے بہت سے ساتھی اس دلیرانہ جنگ میں شہید ہو گئے۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں:

"امام حسین علیہ السلام کے عراق میں وارد ہونے سے پہلے ابن زیادہ نے ۴۵۰۰ شیعوں کو جیل میں ڈال دیا تھا جن میں سلیمان بن صرد خزاعی تھے جنھوں نے چار سال تک جیل کے کوٹھریوں میں زندگی گزاری، اس طرح جو مشہور ہے اور ابن اثیر سے نقل ہوا ہے کہ شیعہ اپنی جان کے خوف سے امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہیں کھڑے ہوئے لیکن وہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد کافی شرمندہ ہوئے اور سلیمان بن صرد کی قیادت میں توابین نامی ایک گروہ کو تشکیل کیا کہ گزشتہ گناہ کی تلافی کرسکیں، یہ سراسر جھوٹ بات ہے۔[8]

اس طرح پتہ چلتا ہے کہ قاتلین امام حسین علیہ السلام کوفہ کے شیعہ نہیں تھے بلکہ خوارج،

مرتدین اور منافقین تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں معزول کر دیئے گئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی حکومت کے بھگوڑے اور غیر عرب کے خریدے ہوئے پٹھو تھے۔

حوالہ جات

[1] اسی وجہ سے امام حسین علیہ السلام نے ان لشکریوں کو عاشورا کے دن "شیعیان آل سفیان" کہہ کر بلایا تھا جب دشمن خیموں پر حملہ کرنے لگے تو آپ نے فرمایا: "ویلکم یا شیعۃ آل ابی سفیان" تمہارا برا ہو اے ابوسفیان کے اولاد کے پیروکارو! اگر تم دین نہیں رکھتے اور تمہیں آخرت کا کوئی خوف نہیں تو کم از کم اس دنیا میں ہی آزاد زندگی گزارو۔ "اللهوف" سید ابن طاوو علیہ السلام ص ۱۲،

لہٰذا اس بنا پر یہی نہیں کہ وہ حقیقتاً شیعیان علی نہیں تھے بلکہ وہ ظاہراً بھی شیعان علی نہیں تھے۔

[2] مروج الذہب ج ۲، ص ۶۹، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳، ص ۱۹۹، الغدیر ج ۱۱، ص ۲۳ و ۳۹۔

[3] تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۳۲۔ کامل بن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۳۔

[4] تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۳۲۔ کامل بن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۳۔

[5] تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۳۲۔ کامل بن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۳۔

[6] الغدیر ج ۱۱، ص ۴۴۔

[7] الغدیر ج ۱۱، ص ۲۸۔

[8] تنقیح المقال، ج ۲، ص ۶۳۔ اور اگر فرض کریں اس کے درمیان کچھ لوگ برائے شیعہ تھے بھی تب بھی انھیں شیعہ کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا البتہ ممکن ہے کہ کچھ افراد ایسے رہے ہوں جن کو سیاسی اور حکومتی حالات کا بالکل اندازہ نہ رہا ہو اور اعتقاد میں بھی وہ ضعیف رہے ہوں

لہذا یزید کی دھمکیوں سے ڈر گئے ہوں اور پیسے کی لالچ میں آگئے ہوں مگر اس طرح کے چند افراد کی موجودگی سے یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام کو شیعوں نے قتل کیا ہے ہرگز درست نہ ہوگا جو واقعاً شیعہ تھے وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سارے حالات ان کے سامنے تھے سیاسی حکومتی تغیرات سے وہ پوری طرح آگاہ تھے، اس وقت کوفہ میں موجود سارے شیعہ اسی نوعیت کے تھے، اس طرح کی تمام باتیں بکے ہوئے راویوں اور درباری ملاؤں کے ذہن ہیں۔ جس کی اصلاح ہونا چاہئے۔

عاشورہ حسینی علیہ السلام

جب ہمیں کوئی اجتماعی یا سیاسی کام کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے کئی ہزار کارڈ چھاپنے ہوتے ہیں اور انہیں ہزار ہا زحمتیں اٹھا کر لوگوں کو پہنچانا ہوتے ہیں، پھر بھی دس ہزار میں سے ایک ہزار افراد ہی آتے ہیں اور کام بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ مسلمان اور شیعہ کسی گھر پر ایک سیاہ پرچم نصب کر کے یہ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے لئے مجلس عزا برپا کر رہے ہیں، دسیوں ہزار افراد کسی دعوت نامے کے بغیر دو گھنٹوں میں حاضر ہو جاتے ہیں اور تمام اجتماعی، سیاسی اور مذہبی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

ان اعترافات کو دیکھتے ہوئے اور عاشورہ کے گہرے اثرات کے پیش نظر بہتر ہے کہ ایک نظر روایات پر ڈالی جائے اور عاشورہ کی عظمت کو معصومین کی نظر سے دیکھا جائے۔

فرانس کا ڈاکٹر جوزف اسلام اور مسلمان نامی کتاب میں عاشورہ کے بارے میں لکھتا ہے: واقعہ کربلا کے بعد پیروان علی علیہ السلام غضبناک ہو گئے اور انہوں نے وقت کو غنیمت شمار کیا اور جنگوں میں مشغول ہو گئے۔۔۔ اور عزاداری برپا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ شیعوں نے عزاداری حسین بن علی علیہما السلام کو اپنے مذہب کا جزو قرار دے دیا اور اس وقت سے لے کر آج تک بزرگان دین کے مقاصد کے مطابق کہ جو نسل رسولؐ سے بارہ افراد ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی گفتار، کردار اور رفتار رسولؐ کی گفتار و کردار کے برابر اور ہم وزن قرآن ہے، عزاداری حسین علیہ السلام میں شریک ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ شیعہ مذہب کا یہ ایک رکن بن چکی ہے۔ تیز رفتار ترقی جو شیعوں نے

مختصر مدت میں کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگلی دو صدیوں میں وہ مسلمانوں کے تمام فرقوں سے تعداد میں بڑھ جائیں گے اور اس کا سبب عزاداری امام حسین علیہ السلام ہے۔

عاشور کا واقعہ یعقوب کلینی اور مناقب میں ابن شہر آشوب کے، اور ارشاد میں شیخ مفید کے بقول بروز ہفتہ، شیخ طوسی، علامہ مجلسی، سید بن طاؤس اور طبری کے مطابق بروز پیر اور ناسخ میں مرحوم سپہر اور قمقام میں فرہاد میرزا کے قول کے مطابق بروز جمعہ پیش آیا۔

بظاہر وہ دن اور وہ وقت گذر چکا ہے لیکن عاشورہ کی عظمت اور اس کے آثار آج بھی زمین اور زمان چھائے ہوئے ہیں اور دلوں کو فتح کر رہے ہیں اور روز بروز بیش از پیش زندہ اور پر رونق ہوتے جا رہے ہیں۔ عاشورہ کی عظمت کے بارے میں (معصومین کے کلام سے پہلے) بعض دانشوروں کے اعترافات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

پروفیسر ایڈورڈ براون عاشورہ کے بارے میں کہتے ہیں: کیا کوئی قلب ایسا ہوگا جو کربلا کے اس اندوہناک حادثے کو سن کر حزن وملال سے دوچار نہ ہو، حتیٰ کہ غیر مسلم بھی۔ ہاں کوئی شخص بھی اس اسلامی جنگ کی روحانی پاکیزگی کا انکار نہیں کرسکتا جو اسلام کے پرچم تلے لڑی گئی۔

فرانس کا ڈاکٹر جوزف اسلام اور مسلمان نامی کتاب میں عاشورہ کے بارے میں لکھتا ہے: واقعہ کربلا کے بعد پیروانِ علی علیہ السلام غضبناک ہوگئے اور انہوں نے وقت کو غنیمت شمار کیا اور جنگوں میں مشغول ہوگئے ۔۔۔ اور عزاداری برپا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ شیعوں نے عزاداری حسین بن علی علیہ السلام کو اپنے مذہب کا جزو قرار دے دیا اور اس وقت سے لے کر آج تک بزرگانِ دین کے مقاصد کے مطابق کہ جو نسلِ رسولؐ سے بارہ افراد ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی گفتار، کردار اور رفتار رسولؐ کی گفتار و کردار کے برابر اور ہم وزنِ قرآن ہے، عزاداری حسین علیہ السلام میں شریک ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ شیعہ مذہب کا یہ ایک رکن بن چکی ہے۔ تیز رفتار ترقی جو شیعوں نے مختصر مدت میں کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگلی دو صدیوں میں وہ مسلمانوں کے

تمام فرقوں سے تعداد میں بڑھ جائیں گے اور اس کا سبب عزاداری امام حسین علیہ السلام ہے۔

آج دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں نمونے کے طور پر دو یا تین آدمی شیعہ نہ ہوں اور امام حسین علیہ السلام کے لئے عزاداری برپا نہ کرتے ہوں۔۔۔ ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ شیعوں نے اپنے مذہب اور عزاداری کی راہ میں جان و مال سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

عاشورہ کے بارے میں نپولین بوناپارٹ کہتا ہے:

جب ہمیں کوئی اجتماعی یا سیاسی کام کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے کئی ہزار کارڈ چھاپنے ہوتے ہیں اور انہیں ہزار ہا زحمتیں اٹھا کر لوگوں کو پہنچانا ہوتے ہیں، پھر بھی دس ہزار میں سے ایک ہزار افراد ہی آتے ہیں اور کام بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ مسلمان اور شیعہ کسی گھر پر ایک سیاہ پرچم نصب کر کے یہ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے لئے مجلس عزا برپا کر رہے ہیں، دسیوں ہزار افراد کسی دعوت نامے کے بغیر دو گھنٹوں میں حاضر ہو جاتے ہیں اور تمام اجتماعی، سیاسی اور مذہبی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

ان اعترافات کو دیکھتے ہوئے اور عاشورہ کے گہرے اثرات کے پیش نظر بہتر ہے کہ ایک نظر روایات پر ڈالی جائے اور عاشورہ کی عظمت کو معصومین کی نظر سے دیکھا جائے۔

۱۔ امت محمد • کی برتری کا راز:

جس طرح سے خاتم الانبیائ • تمام ادیان پر برتری رکھتے ہیں، اسی طرح آخری نبی • کی امت بھی ''امت وسط'' اور ''خیر الامم'' ہے۔ اس برتری میں چند چیزوں کو اہم کردار حاصل ہے، ان میں سے ایک عاشورہ ہے جس کو درج ذیل روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدا سے مناجات میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار تو نے امت محمد • کو تمام امتوں پر برتری کیوں دی ہے؟ خدا نے فرمایا: دس خصوصیات کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: وہ دس خصلتیں کیا ہیں تاکہ

میں بنی اسرائیل کو حکم دوں کہ اس پر عمل کریں!

خطاب ہوا: وہ دس خصلتیں یہ ہیں: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، جمعہ، جماعت، قرآن، علم وعاشورہ۔ جناب موسیٰ نے سوال کیا: پروردگار عاشورہ کیا ہے؟ فرمایا: بکاء کرنا یا بکا جیسا انداز اپنانا (تباکی کرنا) اور مرثیہ خوانی اور فرزندِ مصطفیٰ کی مصیبت پر عزاداری کرنا۔ اے موسیٰ! اس زمانے میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو فرزندِ رسولؐ (یعنی حسین بن علی علیہما السلام) پر بکاء یا تباکی کرے مگر یہ کہ جنت اس کے لئے لازم ہے اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اپنے مال کا کچھ حصہ فرزندِ رسولؐ کی محبت میں کھانا کھلا کر یا کسی اور طریقے سے خرچ کرے تو خدا ہر درہم کے بدلے میں دنیا میں اسے برکت عطا کرے گا اور آخرکار خدا کے فضل سے وہ داخلِ بہشت ہوگا اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اپنی عزت وجلال کی قسم، عاشور کے دن کوئی مرد وعورت ایسا نہیں جو (حسین علیہ السلام کی خاطر) ایک قطرہ آنسو بہائے مگر یہ کہ اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب لکھا جائے گا۔

۲۔ عاشورہ اور نبی اکرمؐ:

شیعہ اور سنی کتابوں میں پیغمبر اکرمؐ سے شہادت امام حسین علیہ السلام اور عاشورہ کے بارے میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک روایت پر اکتفاء کرتے ہیں جو اہلسنت کے طریق سے ہے۔ بی بی عائشہ کہتی ہیں: ایک دن جبرئیل رسولؐ خدا پر نازل ہوئے اور وحی کی۔ اس وقت حسین علیہ السلام حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور ان کے شانوں پر سوار ہو گئے اور کھیلنے لگے۔ جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ! آپ کے بعد جلد ہی تمہاری امت فتنہ میں گرفتار ہوگی اور آپ کے اس ننھے بیٹے کو شہید کردے گی۔ پھر جبرئیل نے ہاتھ بڑھا کر سفید مٹی اٹھائی اور بولے: آپ کا بیٹا اس سرزمین پر کہ جس کا نام طف ہے، مارا جائے گا۔

جبرئیل کے جانے کے بعد حضورؐ نے مٹی کو ہاتھ میں لے کر گریہ کرنا شروع کیا اور اسی

حالت میں اصحاب کے ایک گروہ کے پاس پہنچے جن میں حضرات ابوبکر، عمر، علی علیہ السلام، حذیفہ، عمار اور ابوذر شامل تھے۔ پھر فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسین علیہ السلام میرے بعد طف نامی سرزمین پر مارا جائے گا اور اس نے یہ مٹی مجھے دکھائی ہے کہ اس کی شہادت کا مقام اور قبر یہیں پر ہوگی۔

۳۔ عاشورہ اور امیر المومنین علی علیہ السلام:

امیر المومنین علی علیہ السلام سے کربلا اور عاشورہ سے متعلق متعدد روایات منقول ہیں۔ اہلسنت کی کتابوں میں بھی عبداللہ بن نجی اور اصبغ بن نباتہ وغیرہ سے اس حوالے سے روایات نقل ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ابن عباس کہتے ہیں: جنگ صفین میں میں علی علیہ السلام کے ہمراہ سرزمین نینوا سے گزر رہا تھا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن عباس! کیا تم اس سرزمین کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: نہیں اے امیر المومنین! حضرت علیہ السلام نے فرمایا: اگر میری طرح تم بھی اس کو پہچانتے تو ہرگز یہاں سے عبور نہ کرتے مگر یہ کہ میری طرح گریہ کرتے۔ اس کے بعد گریہ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کی ریش مبارک اشکوں سے بھیگ گئی اور آنسو سینہ پر بہنے لگے۔ ہم بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: آخر ہمارا ابوسفیان، آل حرب، حزب شیطان اور اور اولیائے کفر سے کیا واسطہ! اسی حالت میں فرمایا: صبراً یا اباعبداللہ۔۔۔! اے حسین صبر کرو۔ پھر بہت گریہ فرمایا اور ہم بھی ان کے ساتھ روتے رہے یہاں تک آپ علیہ السلام منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔

حمزہ کی شہادت کے بعد یہ رسم تھی کہ ہر عزاداری میں پہلے حمزہ کے لئے گریہ کیا جاتا تھا۔ یہ رسم امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک جاری رہی اور اس کے بعد لوگ امام علیہ السلام کے لئے گریہ کیا کرتے تھے۔

٤۔ عاشورہ اور امام حسن علیہ السلام:

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے سخت ترین مصائب کے باوجود امام حسین علیہ السلام کی زندگی ہی میں آپ کے مصائب پر گریہ کرتے تھے۔ ابن نما کہتا ہے: امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام مریض تھے اور حسین بن علی علیہما السلام ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ جب کمرے میں داخل ہوئے اور بھائی کی حالت کو دگرگوں پایا تو گریہ کرنے لگے۔ امام مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: گریہ کیوں کرتے ہو؟ جواب دیا: بھیا! گریہ کیوں نہ کروں کہ (دشمنوں نے) آپ کو مسموم اور مجھے بے برادر کردیا ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: بھیا مجھے زہر سے قتل کرتے ہیں (جب کہ میرے لئے تمام چیزیں موجود ہیں) لیکن لا یوم کیومک یا ابا عبداللہ! کوئی دن تیرے دن جیسا نہیں اے حسین! کہ جس دن تیس ہزار ایسے لوگ جو اپنے آپ کو ہمارے جد کی امت میں سے سمجھتے ہوں گے، تمہارا محاصرہ کرلیں گے اور تمہیں قتل کرنا، تمہارا خون بہانا اور تمہارا مال و اسباب لوٹنا چاہیں گے۔ خدا کی لعنت ہو بنو امیہ پر۔ تم پر آسمان و زمین اور سمندر کے جانور گریہ کریں گے۔

۵۔ عاشورہ امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر میں:

امام زین العابدین علیہ السلام جو کہ خود نزدیک سے عاشوراء کے واقعات کا مشاہدہ کر چکے تھے، وہ کبھی اس کو بھلا نہ سکے اور آخری سانس تک ان واقعات پر آنسو بہاتے رہے اور دوسروں کو رونے کی ترغیب دیتے رہے۔ جب کبھی آپ علیہ السلام کی نظر غذا اور پانی پر پڑتی آپ علیہ السلام گریہ فرماتے۔ ایک دن آپ علیہ السلام کے ایک خادم نے عرض کیا: کیا اب بھی آپ کے غم واندوہ کے خاتمے کا وقت نہیں ہوا۔ فرمایا:

وائے ہو تم پر! یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، خدا نے ان میں سے ایک کو ان کی آنکھوں سے دور کردیا، غم وحزن کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہوگئیں حالانکہ یوسف اس وقت زندہ تھے۔ لیکن میری آنکھوں کے سامنے میرے بابا، بھائی، چچا اور میرے

اہلبیت سے سترہ افراد اور بابا کے اصحاب کا ایک گروہ شہید کردیا گیا اور ان کے سروں کو تن سے جدا کردیا گیا، میرا غم کس طرح ختم ہوسکتا ہے؟!

اس کے علاوہ کربلا میں اہلبیت کے حرم کو اسیر کیا گیا کہ یہ داغ ہرگز بھلایا نہیں جاسکتا۔

اسی طرح یہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے عبید اللہ بن عباس بن علی علیہما السلام کو دیکھا اور آپ علیہ السلام کے اشک جاری ہوگئے۔ پھر فرمایا: رسول اللہ کے لئے اُحد سے بڑھ کر سخت دن کوئی نہیں تھا کہ جس دن آپ ﷺ کے چچا اور خدا اور رسولؐ کے شیر مارے گئے اور اس کے بعد موتہ سے بڑھ کر سخت دن کوئی نہ تھا جب آپ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابوطالب شہید ہوئے۔

پھر فرمایا: کوئی دن امام حسین علیہ السلام کے دن (عاشورہ) کی طرح نہیں ہے (کیونکہ) تیس ہزار افراد جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کی امت سمجھتے تھے، جمع ہوئے۔ وہ فرزندِ رسولؐ کو قربۃً الی اللہ قتل کرنے کے درپے تھے۔ حالانکہ آپ علیہ السلام نے انہیں نصیحت بھی کی لیکن انہوں نے نصیحت قبول نہ کی یہاں تک کہ انہیں دشمنی میں قتل کردیا۔

ماہِ مبارک رمضان میں بھی امام سجاد علیہ السلام افطار کے وقت عاشورہ کو یاد کرتے اور فرماتے: واکربلا! واکربلا! اور مسلسل اس جملے کو دہرایا کرتے کہ فرزندِ رسولؐ اس حالت میں مارا گیا کہ خائف تھا! فرزندِ رسولؐ اس حال میں مارا گیا کہ پیاسا تھا۔ اس قدر ان جملوں کو دہرایا کرتے اور گریہ کرتے کہ آپ کا لباس اشکوں سے تر ہوجاتا۔

۶۔ عاشورہ امام باقر علیہ السلام کی نظر میں:

بنوامیہ کے ظالم حکمرانوں کی وجہ سے امام باقر علیہ السلام کے دور میں عاشورہ کی زیادہ عظمت بیان نہ کی جاسکی بلکہ مجالس عزا کو خفیہ طور پر اور خاص افراد کی موجودگی میں برپا کیا جاتا۔ امام باقر علیہ السلام اس زمانے کے شعراء جیسے کمیت بن زید اسدی (متوفی ۱۲۶ ھ) کو دعوت دیتے کہ وہ مصائب اہلبیت میں اشعار پڑھیں۔ مالک جہنی کہتا ہے:

امام باقر علیہ السلام نے عاشورہ کے بارے میں فرمایا: روز عاشور امام حسین علیہ السلام کے لئے مجلس عزا برپا کرو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ ان کے مصائب پر گریہ کرو اور ان پر اپنے غم و اندوہ کا اظہار کرو اور ایک دوسرے سے ملاقات میں (اس طرح) تعزیت پیش کرو:

أَعْظَمَ اللّٰهُ أُجُورَنَا بِمُصَابِنَا بِالْحُسَيْنِ وَجَعَلَنَا وَإِيَّاكُمْ مِنَ الطَّالِبِينَ بِثَارِهِ مَعَ وَلِيِّهِ الْإِمَامِ الْمَهْدِيِّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ.

جو شخص اس عمل کو انجام دے گا اس کے لئے خدا کے پاس دو ہزار حج و عمرہ اور رسول خدا اور ائمہ راشدین میں سے کسی ایک کے ساتھ جہاد کے ثواب کی میں ضمانت دیتا ہوں۔

ایک مجلس عزا میں امام باقر علیہ السلام کی موجودگی میں کمیت اشعار پڑھ رہے تھے کہ اس شعر پر پہنچے:

وقتیل بالطف غودرمنہ

بین غوغاء امۃ وطغاہ

امام باقر علیہ السلام نے بہت گریہ کیا پھر فرمایا: اگر میرے پاس کچھ مال ہوتا تو اس شعر کے اجر میں وہ کمیت کو عطا کر دیتا لیکن اس کی جزا وہی دعا ہے جو رسول اللہ ؐ نے اپنے دور کے مشہور شاعر حسان بن ثابت کے حق میں کی تھی کہ ہم اہلبیت کا دفاع کرنے کی وجہ سے روح القدس کی تائید تمہیں ہمیشہ حاصل رہے گی۔

ایک اور حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب کبھی ماہ محرم شروع ہوتا تو میرے بابا امام زین العابدین علیہ السلام کو کوئی ہنستے ہوئے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ روز عاشور تک مسلسل غم و اندوہ کی حالت میں رہتے۔ اور جب روز عاشور ہوتا تو وہ آپ علیہ السلام کے غم و اندوہ، گریہ وزاری اور مصیبت کا دن ہوتا۔

امام علیہ السلام نے علقمہ سے فرمایا: جس حد تک ہو سکے اس دن (روز عاشور) اپنی

ضروریات کی خاطر گھر سے باہر نہ نکلو، کیونکہ یہ ایک نحس دن ہے اور انسان کی حاجت پوری نہیں ہوگی، اور اگر پوری ہوگئی تو اس میں خیر و برکت نہ ہوگی۔ اور اس دن اپنے گھر کے لئے کھانے کا ذخیرہ بھی نہ کرو، کہ اگر تم نے ذخیرہ کیا تو اس میں خیر و برکت نہ ہوگی۔

۷۔ عاشورہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں:

عاشورہ کی اہمیت اور اس کی تبلیغ و ترویج اور عزاداری و گریہ و زاری پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے متعدد جملے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن سنان کہتا ہے: عاشور کے دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے آپ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا کہ چشم مبارک سے موتی کی مانند اشک جاری تھے۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول ؐ! خدا آپ کی آنکھوں میں آنسو نہ لائے، کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا: کیا تم آج کے دن کی اہمیت سے غافل ہو؟ اور کیا نہیں جانتے کہ آج کے دن کیا گذرا؟ کہا: اے میرے مولا! آپ آج کے دن کے روزے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: آج کے دن بغیر نیت کے روزہ رکھو لیکن اسے آخر تک نہ پہنچانا یعنی غروب آفتاب سے ایک ساعت قبل پانی سے افطار کر لینا۔ کیونکہ اسی وقت آل رسولؐ پر سے جنگ ختم ہوئی تھی اور وہ عظیم فتنہ فرو ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے: یہ باتیں بیان کرنے کے بعد امام علیہ السلام نے سخت گریہ کیا یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔

عبد اللہ بن فضل ہاشمی کہتا ہے: میں امام صادق علیہ السلام کے پاس پہنچا اور عرض کیا: اے فرزند رسول ؐ! روز عاشور کو غم و اندوہ اور گریہ و زاری کا دن کیوں کہا گیا ہے؟ اور عزاداری امام حسین علیہ السلام کی اس دن میں اہمیت بیان ہوئی ہے؟ اور جو اہمیت اس دن کی عزاداری کو حاصل ہے وہ رسول اکرم ؐ، علی علیہ السلام، فاطمہ زہرا علیہا السلام اور امام حسن علیہ السلام کے ایام کو حاصل نہیں ہے؟ حضرت علیہ السلام نے فرمایا: امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا دن تمام ایام سے عظیم تر مصیبت ہے۔ اے

عبد اللہ! جان لو کہ آلِ عبا پانچ افراد تھے۔ جب نبی اکرمؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگ اپنے آپ کو (باقی) چار افراد سے تسلی دے دیا کرتے تھے۔ اور جب بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام شہید ہوئیں تو لوگ امیر المومنین علیہ السلام، حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام سے دل کو تسلی دے لیتے تھے۔ پھر جب علی علیہ السلام شہید ہوئے تو لوگوں کو حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کی ذات سے ڈھارس تھی اور حسن علیہ السلام کے بعد لوگ امام حسین علیہ السلام کے وجود پر اکتفاء کرتے تھے۔ لیکن جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے، تو آلِ عبا اس دن یکدم شہید ہو گئے، کیونکہ امام حسین علیہ السلام ان سب کی یادگار تھے۔ اس لئے اس دن کا سوگ زیادہ سنگین ہے۔

بی بی زینب علیہا السلام نے بھی روزِ عاشورا اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: آج کے دن (امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے) میرے نانا، بابا، ماں اور بھائی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اسی طرح زید شحام سے منقول ہے کہ میں اہلِ کوفہ کے ایک گروہ کے ہمراہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ مشہور عرب شاعر جعفر بن عفان وہاں آیا۔ آنحضرت علیہ السلام نے اس کا احترام کیا اور اپنے نزدیک جگہ عنایت کی۔ پھر فرمایا: اے جعفر! کہنے لگا: لبیک! میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ فرمایا: مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے حسین علیہ السلام کے بارے میں خوبصورت شعار کہے ہیں۔ بولا: جی! فرمایا: اپنے شعر سناؤ۔ اس نے چند اشعار سنائے تو امام علیہ السلام اور وہاں موجود لوگ اس طرح سے گریہ کر رہے تھے کہ آنسو امام علیہ السلام کی ریشِ مبارک پر جاری تھے۔ پھر فرمایا: اے جعفر! خدا کے فرشتے حاضر ہیں اور انہوں نے تمہاری آواز سنی ہے۔ ہماری طرح انہوں نے بھی گریہ کیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ خدا نے تمہارے لئے بہشت کو واجب کر دیا ورتمہیں بخش دیا ہے۔

۹۔ عاشورہ اور امام رضا علیہ السلام:

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص روزِ عاشورا اپنے کاموں اور حاجتوں کے لئے نہ جائے

خدا اس کی دنیا و آخرت کی حاجات بر لاتا ہے اور اگر کوئی شخص عاشور کے دن کو غم واندوہ کا دن قرار دے خدائے عز و جل قیامت کے دن کو اس کے لئے خوشی و سرور کا دن قرار دے گا اور جنت میں اس کی آنکھیں ہمارے دیدار سے روشن ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص روز عاشور کو برکت اور معاش کا دن بنائے اور اپنے گھر کے لئے کوئی چیز ذخیرہ کرے تو جس چیز کا وہ ذخیرہ کرے گا اس میں برکت نہیں ہوگی۔ دعبل خزاعی اہلبیت رسولؐ سے عقیدت رکھنے والے ماہر شاعر ہیں۔ وہ ۱۹۸ھ میں شہر مرو میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ وہ کہتے ہیں: میں مرو میں اپنے آقا علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپ علیہ السلام کے اصحاب حلقہ باندھے وہاں بیٹھے تھے اور امام علیہ السلام کے چہرے سے غم واندوہ عیاں تھا۔ میرے وارد ہوتے ہی امام علیہ السلام نے فرمایا: تم کتنے خوش قسمت ہو کہ اپنے ہاتھ اور زبان کے ذریعے ہماری مدد کرتے ہو۔ پھر مجھے عزت دی اور اپنے نزدیک جگہ عنایت فرمائی۔ فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے لئے مرثیہ پڑھو۔ یہ ایام اہلبیت علیہم السلام کے لئے غم واندوہ کے ایام اور ہمارے دشمنوں خصوصاً بنوامیہ کے لئے خوشی کے ایام ہیں۔ اس کے بعد امام رضا علیہ السلام نے مجلس امام حسین علیہ السلام میں اپنے حرم کی شرکت کے لئے پردہ لگایا اور مجھ سے فرمایا: اے دعبل مرثیہ پڑھو۔ تم جب تک زندہ ہو، اہلبیت رسولؐ کے یاور اور ان کے مداح ہو گے۔ میری آنکھوں میں اس طرح آنسو آگئے کہ اشک میرے چہرے پر جاری ہو گئے، پھر میں نے یہ شعر کہا:

افاطم لو خلت الحسین مجدلا

وقد مات عطشا بشط الفرات

امام رضا علیہ السلام، ان کے فرزند اور گھر کے افراد نے شدت سے گریہ فرمایا۔

۱۰۔ عاشورہ اور امام محمد تقی علیہ السلام، امام علی نقی علیہ السلام، امام حسن عسکری علیہ السلام اور امام زمانہ علیہ السلام:

امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کی مجالس علویوں کے گھروں میں اعلانیہ طور پر برپا ہوتی تھیں لیکن معتصم عباسی کے بعد اس کے جانشینوں نے مجالس عزاداری کے انعقاد حتی کہ ائمہ معصومین اور شہداء کی قبروں کی زیارت پر سخت پابندی لگادی تھی۔

امام علی النقی علیہ السلام کی زندگی سخت گھٹن کے ماحول میں گزر رہی تھی اور حاکم وقت 'متوکل عباسی' کو امام علیہ السلام اور ان کے شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ وہ اپنی بدنیتی اور بدعملی میں اس حد تک آگے بڑھا کہ اس نے قبر امام حسین علیہ السلام کو ویران اور اس کے آثار کو تباہ کردیا۔

ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے: متوکل خاندان ابوطالب کی نسبت بہت سخت گیر تھا اور علویوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کرتا تھا۔ اس کا دل علویوں کی نسبت سخت بغض و کینہ سے پر تھا۔ اسی لئے وہ ان پر بے بنیاد الزامات لگاتا رہتا تھا۔ متوکل کی سخت گیری اس حد تک بڑھی کہ اس سے پہلے کے کسی خلیفہ نے اتنی جرأت نہیں کی تھی۔ اس کے حکم پر قبر امام حسین علیہ السلام کو اس طرح ویران کیا گیا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا اور آپ علیہ السلام کی قبر کے راستے میں ایسی چوکیاں بنائی گئیں جہاں پر زیارت یہ حالات امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور امامت تک جاری رہے لیکن زیارت کے لئے جانے والوں کو گرفتار کیا جاتا اور ان کو سزا دی جاتی۔

شیعہ اور علوی خوفزدہ نہیں ہوئے اور تاریخ میں ہمیشہ اموی اور عباسی ظالم حکمرانوں کے ساتھ مثبت یا منفی مقابلہ کرتے رہے، کبھی زیارت قبور اور قاتلان ائمہ پر لعنت کے ذریعے تو کبھی شہیدوں اور خصوصاً شہدائے کربلا پر گریہ وزاری و عزاداری کے ذریعے سے۔

بے شک امام زمانہ علیہ السلام بھی عاشورہ کی عظمت کے حوالے سے اپنے اجداد کی سیرت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور اپنے جد بزرگوار حسین بن علی علیہما السلام پر دن رات گریہ کرتے ہیں، جیسا کہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

لاندبنک صباحا و مسائ و لابکین علیک بدل الدموع دما۔

ہر صبح شام (اے جد بزرگوار) آپ پر گریہ کرتا ہوں اور (اگر اشک ختم ہو گئے تو) آنسوؤں کے بدلے خون رووں گا۔

قیام عاشورہ کے درس

عاشورا حسینی حق و باطل کے درمیان ٹکراؤ کا مظہر تھا جس میں ایمانی لشکر، کافروں کے لشکر کے روبرو تھا۔ کربلا میں پیش آنے والا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں جو وقت کے ساتھ کم اہمیت ہو جائے یا جسے لوگ بھول جائیں بلکہ یہ ایک قیام الٰہی تھا کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے یہ اور بھی زیادہ دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لیئے روشن ہوتا جائے گا اور یہ قیامت تک زندہ رہے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ایک ایسی ہستی جس کی پروان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں ہوئی اور جس کی تربیت حضرت علی علیہ السلام کے زیر سایہ اور دامن صدیقہ طاہرہ (س) میں ہوئی۔ اس عظیم ہستی نے ظلم و جبر کے خلاف کھڑے ہو کر رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیئے ایک عظیم سبق چھوڑا ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

قیام حسینی کے بارے میں مختلف جہتوں سے بات کی جاسکتی ہے مگر ہم یہاں پر اس واقعہ سے ملنے والے سبق اور پیغام پر مختصر بات کریں گے۔

1- پیغام آزادگی

یہاں پر آزادگی سے مراد اخلاقی قید و بند سے رہائی نہیں، حقیقت میں یہ آزادگی کی وہ

قسم ہے جس سے مراد نفس کی بندگی ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ظلم کے دباؤ کا شکار نہ ہو اور ظالموں کے آگے خود کو تسلیم خم نہ کرے۔ انسان کو مکمل سرفرازی اور آزادگی کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے اور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیئے ہر طرح کے ظلم کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی عزت اور سرفرازی کے ساتھ گزاری اور وہ جوانی سے ہی اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے مشہور تھے اور انہیں ایاۃ الضیم (یعنی ایسے افراد جو ظلم کے نیچے نہیں دبتے) شمار کیا جاتا تھا۔(1)

عزت و آزادگی کے متعلق حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ

موت فی عز خیر من حیاۃ فی الذل (2)

عزت کے ساتھ موت ذلیل زندگی سے بہتر ہے۔

وہ زندگی کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور عزت و وقار کو برقرار رکھنے کے جس حد تک قائل تھے واقعہ کربلا ان کی ایسی خوبیوں کا جلوہ گر ہے۔ دشمن حضرت امام حسین علیہ السلام کو کہتا تھا کہ

یا ذلت کے ساتھ بیعت کے لیئے ہاتھ آگے کرو اور یا مرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا!

لا واللہ! اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر اقرار العبید (۳)

خدا کی قسم! نہ تو ذلت والا ہاتھ ان کو دوں گا اور نہ بردگان کی طرح ان کی حکومت کو قبول کروں گا

اس سے بیشتر ذلت کیا ہوتی کہ حضرت امام حسین بن علی علیہ السلام یزید کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور اس کی منکرات کو قبول کر لیتے اور اس کے عوض چند روز بیشتر زندہ رہتے۔

۔ایثار واز خود گذشتگی

عظیم لوگوں کی ایک بڑی خوبی ایثار اور فدا کاری ہوتی ہے۔ایسے لوگ دوسروں کو خود مقدم جانتے ہیں اور ہمیشہ خود کو دوسرے کی مدد کے لیئے تیار کیے رکھتے ہیں۔قرآن ایمان دار گوں کی مشخص صفات میں سے ایک صفت ایثار کو شمار کرتا ہے۔

ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة (۴)

اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں۔(سورہ حشر۔ یت ۹)

ایثار کی مختلف حالتیں ہیں۔ایثار بعض اوقات جان کا ہے تو بعض اوقات مال کا اور ان نوں کی خدا کے نزدیک بہت قدر و قیمت ہے لیکن آنحضرت کے پاس جو کچھ بھی تھا انھوں نے پورے خلوص کے ساتھ اپنی اور اپنے بچوں و رشتہ داروں کی جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔

شاعر اس بارے میں کیا خوب کہتا ہے کہ

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی، یا سیوف خذینی

کربلا کے 72 شہداء کے اندر قربانی اور ایثار کا جذبہ واضح تھا جنہوں نے شہادت پانے کے لیئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔اس ایثار اور جذبے نے قیامت تک کے انسانوں کے لیئے قربانی کی ایک مثال قائم کر دی ہے جس سے رہنمائی پا کر ہر دور میں مظلوم لم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات پیدا کر رہا ہے۔

3۔خدا پر توکل

حضرت حسین بن علی علیہ السلام حکومت یزید کے اصل چہرے کو بے نقاب کرنے کے لیئے

مدینہ منورہ سے باہر گئے اور مکہ میں رہے اور اپنے خطابات کے ذریعے لوگوں کو اس ظالم حکومت کے کرتوتوں سے آگاہ کیا لیکن جب ان کی جان لینے کی کوششیں کی جانے لگی تو اللہ کے گھر کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حجاز کو ترک کر کے عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کوفہ والوں کے حیلوں سے آگاہ ہونے کے باوجود انہوں نے اللہ تعالی پر بھروسہ کیا اور اپنے سفر کو جاری رکھا۔

انہوں نے خدا پر توکل کرتے ہوئے اس عظیم واقعہ میں مسلم امہ کو سخت حالات میں روانگی اور قیام کا درس دیا اور آخرکار اپنی منزل کو حاصل کر لیا۔

حسینی قافلے کی روانگی کے بعد بھی متعدد بار خاندان بنی ھاشم اور دوسروں نے اس ظالم حکومت کے خلاف قیام کیا اور بالاخر بنی امیہ کی حکومت 132 ہجری میں جاتی رہی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے سفر کا آغاز کیا اور عاشورا کی صبح جب دشمن نے حملے کا آغاز کیا تو انہوں نے درگاہ الہی کے سامنے حاضری دی اور اپنے خدا کے ساتھ کچھ اس طرح سے راز و نیاز کیا۔

اللهم انت ثقتی فی کل کرب و انت رجائی فی کل شدة و انت لی فی کل امر نزل بی ثقة و عدة (۵)

اے میرے خدا! تمام پیش آنے والے ناگوار واقعات میں میرا تکیہ گاہ تو ہے اور ہر مشکل کام میں میری امید تو ہے اور ہر آنے والی کیفیت میں مجھے پناہ دینے والا اور میرا مددگار تو ہے۔

اور اسی طرح روز عاشورہ کے موقع پر اپنے ایک خطبہ میں آپ علیہ السلام نے فرمایا!

انی توکلت علی الله ربی و ربکم (۶)

میں نے خدا پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے

شجاعت ورشادت

خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں شجاعت، استحکام، ارادہ اور
ت شامل ہیں۔امام سجاد علیہ السلام نے مسجد شام میں اپنے ایک خطبے میں فرمایا!

اوتینا العلم والحلم والصلابة والشجاعة (۷)

ہمیں خاندان رسالت کو دانش وبردباری وبخشندگی وشجاعت دی گئی ہے

عاشورا کے روز حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہادری نے ذہنوں میں اپنے والد بزرگوار
بہادری کی یاد تازہ کردی۔واقعہ کربلا کو بیان کرنے والے جناب حمید بن مسلم اس بارے میں
کہتے ہیں کہ

خدا کی قسم! میں نے لوگوں کے اتنے بڑے ہجوم میں محاصرہ ہوئے کسی کو نہیں دیکھا کہ
میں امام علیہ السلام کے فرزندان، خاندان اور عزیز واقارب شہید ہوئے اور حسین بن علی علیہ السلام کی
ح مضبوط دل کا مالک، استوار اور بہادر نہیں دیکھا۔دشمنوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور وہ
تلوار کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتے اور سب دائیں بائیں بھاگ جاتے (۸)

انہوں نے مکہ مکرمہ سے روانگی سے قبل روز (ترویہ) میں خطاب کیا اور ان کی مجلس
میں صحابہ اور تابعداروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔آپ نے فرمایا!

من کان باذلا فینا مھجتہ وموطنا علی لقاء اللہ نفسہ فلیرحل معنا (۹)

جو کوئی بھی اپنا خون ہمارے راستے پر نثار کرنا چاہتا ہے اور لقاء اللہ کے لیئے تیار ہے،
نکل ہمارے ساتھ کوچ کرے۔

5-وفا اور معاہدے کی پاسداری

پیمان اور میثاق الہی پر عمل پیرا ہونا ایماندار لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔قرآن مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ

اور وہ جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔(۱۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وصی (امیر المومنان علیہ السلام) کی زندگی میں عہد کی پاسداری کے نمایاں نمونے موجود ہیں کہ ان پر عمل کرنا بے حد تلخ کام تھا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے ساتھ عہد و پیمان باندھا۔اس معاہدے میں ایک شرط یہ شامل تھی کہ جو مسلمان بھی مکہ سے فرار ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کی تحویل میں دے دیں گے۔اس روز مصلحت اسی میں تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرط کو قبول کر لیں۔شرط قبول کرنے کے بعد اچانک ایک جوان مکہ سے فرار ہو کر مدینہ آ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نے پناہ طلب کی۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کریں گے۔تم واپس چلے جاؤ خدا تمہارے لیئے آسانی پیدا کرے گا۔

جنگ صفین میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ایک گروہ کے بے حد اصرار پر مخالفین سے ترک جنگ اور حکمیت قرآن کا معاہدہ کر لیا۔اس ماجرے کے بعد انہی ساتھیوں نے اپنے عمل پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنین سے درخواست کی کہ وہ معاہدہ توڑ دیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ابعد الرضا؟

کیا پیمان پر دستخط کرنے کے بعد پیمان کو توڑ دوں؟

حسینی قافلے کی کوفہ کی طرف روانگی پیمان کے ساتھ وفا کو ہر لحاظ سے ظاہر کرتی ہے۔

انہوں نے کوفہ والوں کی بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

تم کوفہ والوں کی طرف سے یہ روش ناشناختہ اور حیران کن نہیں۔ تم نے میرے باپ، میرے بھائی اور چچازاد مسلم بن عقیل کے ساتھ نیز یہ سب کچھ کیا۔ (۱۱)

لیکن انہوں نے اپنے دوستوں کی وفاداری پر فخر کیا اور شب عاشورا کو اپنے ایک خطبے میں یوں فرمایا!

فانی لا اعلم اصحابا اوفی ولا خیرا من اصحابی (۱۲)

میں باوفا تر اور اپنے صحابہ سے بہتر کسی صحابی کو نہیں جانتا

آنحضرت کی زیارت میں پڑھتے ہیں:

اشهد انك وفيت بعهد الله و جاهدت في سبيله حتى اتيك اليقين (۱۳)

میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے خدا کے ساتھ جو پیمان کیا اس کی وفاداری کی اور یقین حاصل کرنے کے لیئے (شہادت) اس کی راہ میں جہاد کیا۔

6- عمل میں اخلاص

انسان کے برتاؤ پر اس کے عقیدے اور ایمان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مومن لوگوں کے کاموں کی جزا خدا دیتا ہے اس لیئے مومن انسان ہمیشہ نیک کام کو خدا کی رضا کے لیئے انجام دیتا ہے۔ اس کے برعکس بے ایمان قسم کے لوگ جو شہرت کے بھوکے ہوتے ہیں، کوشش کرتے

ہیں کہ نمود و نمائش کے ذریعے سے دوسروں کی توجہ اور رضایت حاصل کی جائے۔

عاشورا کا ایک اہم پیغام اپنے عمل میں اخلاص لانا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام، ان کے بچوں، احباب اور خاندان کے شہید ہونے کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنا تھا۔

7- عمل بہ تکلیف

وہ لوگ جو اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کے لیئے عاشق کی طرح عمل کرتے ہیں، اپنے تمام کاموں میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسے نبھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں نتیجے کی ہرگز فکر نہیں ہوتی ہے۔ ایک سپاہی کو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترنا چاہیئے اور کامیابی و ناکامی کی فکر کیئے بغیر جانفشانی سے لڑنا چاہیئے۔

یوم عاشورا کا ایک سبق احساس ذمہ داری بھی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جس مقصد کے لیئے کھڑے ہوئے، وہ کامیابی یا قدرت کا حصول نہ تھا بلکہ وہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیئے کھڑے ہوئے تھے جس کے نبھانے کا درس انہیں ان کے اجداد نے دیا تھا۔

قرآن میں ذکر ہے کہ: مومنین لازمی طور پر کافروں کے مقابلے کہہ دے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ---------- (۱۳)

کہہ دیجیے: کیا تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک ہی کے منتظر ہو اور ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ خود اپنے پاس سے تمہیں عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلوائے، پس اب تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔

جس دن حسین بن علی علیہ السلام نے مکہ مکرمہ سے کوچ کیا تو اس دن بعض بزرگوں نے انہیں

اس سفر پر جانے سے منع کیا اور خیر خواہی کے لبادے میں کوفہ والوں کی پیمان شکنی کا ذکر کرتے۔

امام علیہ السلام ان بزرگوں کے جواب میں فرماتے:

ارجوان یکون خیرا ما اراد اللہ بنا قتلنا ام ظفرنا (۱۵)

مجھے امید کرتا ہوں کہ خدانے ہمارے لیئے خیر و نیکی کا ارادہ کیا ہو۔ چاہے مارے جائیں چاہے کامیاب ہوں

حوالہ جات:

1۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج3، ص249

2۔ مناقب ابن شھر آشوب، ج4، ص68

۳۔ از کلمات امام حسین علیہ السلام، ص44

۴۔ سورہ حشر۔ آیت9

۵۔ ارشاد، شیخ مفید، ج2، ص96

۶۔ بحار الانوار، ج45، ص91

۷۔ مقتل خوارزمی، ج2، ص69

۸۔ واللہ ما رآیت مکسور قد قتل ولدہ واھل بیتہ واصحابہ اربط جاشا ولا امضی جنانا منہ

۹۔ لھوف، سید بن طاوس: 54 ط، 1322ھ ق۔

۱۰۔ مومنون۔ 8

۱۱۔ موسوعہ کلمات الامام حسین علیہ السلام، ص278

۱۲۔ مناقب ابن شھر اشوب، ج4، ص45

۱۳۔ زیارت اربعین

۱۴۔ توبہ 52

۱۵۔ اعیان الشیعہ، ج 1، ص 597، اس مقالے کو مرتب کرنے میں دو کتابوں موسوعہ کلمات الامام الحسینؑ اور پیام ہای عاشورا سے استفادہ کیا گیا ہے

چند سوالات کے جوابات

(۱) امام حسین علیہ السلام کو کیوں ثار اللہ کہتے ہیں؟

اس موضوع کے بارے میں پہلے یہ کہنا ہے کہ: یہ لقب دو اماموں یعنی امام علی علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے لئے استعمال ہوا ہے ہم امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں پڑھتے ہیں: السلام علیک یا ثار اللہ و بن ثارہ: [1] سلام ہو آپ پر اے خون خدا اور فرزند خون خدا

ثار اللہ کے معنی کے بارے میں دو احتمالات پائے جاتے ہیں:

خونخواہی: لغت کی کتابوں میں لفظ الثار، طلب الدم یعنی خونخواہی کے معنی میں آیا ہے،

ثار اللہ یعنی جس کا ولی دم اور خونخواہ، خدا ہے

قابل غور بات ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی خونخواہی کی آواز یعنی یا لثارات الحسین توابین اور مختار کے قیام کا نعرہ تھا۔[2] اس کے علاوہ یہ ان فرشتوں کا نعرہ ہے جو آپ علیہ السلام کی قبر مبارک کے پاس امام زمانہ (عج) کے ظہور تک رہیں گے،[3] اور اس کے علاوہ یہ نعرہ قیام کے وقت امام مہدی (عج) [4] اور آپ (عج) کے شہادت طلب ساتھیوں کا ہوگا۔[5]

لفظ ثار اللہ کے معنی بیان کئے گئے، انہیں بہت سے اسلامی دانشوروں نے قبول کیا ہے

[6]

اس معنی کے مطابق ثار اللہ یعنی اے وہ، جس کے خون کا بدلہ خدا سے متعلق ہے اور وہی آپ علیہ السلام کے خون کا بدلہ لے گا، کیونکہ آپ صرف ایک خاندان سے متعلق نہیں ہیں کہ ایک خاندان کا سرپرست آپ علیہ السلام کے خون کا بدلہ لے اور صرف ایک قبیلہ سے متعلق نہیں ہیں کہ تیرے خون کا بدلہ قبیلہ کا سردار لے لے، بلکہ آپ علیہ السلام عالم انسانیت اور ہستی سے متعلق ہیں، آپ عالم ہستی اور باری تعالی کی پاک ذات سے متعلق ہیں، اس بنا پر آپ کے خون کا بدلہ اسے لینا چاہیے، اور اسی طرح آپ علیہ السلام علی بن ابیطالب کے بیٹے ہیں، وہ بھی راہ خدا کے شہید تھے اور ان کے خون کا بدلہ بھی خداوند متعال کو لینا چاہیے۔

خون خدا: علامہ مجلسی (رح) کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ الثار کے معنی خون اور خون خواہی ہیں، [7] ان کے کلام کی تائید کرنے والے معنی لسان العرب نامی کتاب میں لفظ الثار کے سلسلہ میں آیا ہے یہ لغت کی کتاب کہتی ہے: الثار الطلب بالدم. وقیل: الدم نفسه یعنی لفظ الثار خون خواہی کے معنی میں ہے اور کہا گیا ہے کہ خود خون کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے [8]- پس کہا جا سکتا ہے کہ حسین علیہ السلام خون خدا ہیں، لیکن کیا حقیقت میں اس معنی کو قبول کیا جا سکتا ہے اور کیا خدا کا جسم ہے کہ جس کا خون ہوگا اور کیا بنیادی طور پر خدا کے بارے میں ایسا تصور کیا جا سکتا ہے؟!

جواب میں کہنا ہے کہ: ید اللہ وغیرہ جیسے الفاظ، جو اسلامی ثقافت میں استعمال ہوئے ہیں، ایک کنائی یا مجازی تعبیر شمار ہوتے ہیں [9] مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام ید اللہ ہیں، تو اس سے مراد یہ نہیں لیا جاتا ہے کہ خدا کا جسم ہے اور انسان کے مانند ہاتھ رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ حضرت علی علیہ السلام ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ علی علیہ السلام خدا کی قدرت کے مظہر ہیں۔

اس بنا پر ثار اللہ کے لقب کا امام حسین علیہ السلام پر اطلاق ہونا مندرجہ ذیل احتمالات میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے:

1۔ ثار اللہ پر اضافہ، ایک تشریفی اضافہ ہے، یعنی یہ خون، شریف ترین ذات یعنی خدا پر اضافہ ہوا ہے، کیونکہ خدا کے لئے زمین پر گرا ہے اور اس لحاظ سے خدا سے تعلق رکھتا ہے، جس طرح جملہ ناقۃ اللہ [10] عند بیتک المحرم [11] میں لفظ بیت اللہ اور ضمیر مخاطب پر اضافہ ہوا ہے اور یہ اضافہ شرافت حاصل کرنے کے لئے ہے۔[12]

2۔ جو انسان کامل قرب فضائل کے کمال کے مدارج تک پہنچ کر [13]، ید اللہ، لسان اللہ اور ثار اللہ بن جاتا ہے، یعنی خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے کہ اگر خدا کسی کام کو انجام دینا چاہے، تو اس کے ہاتھ سے انجام دیتاہ، خدا کی زبان بن جاتا ہے کہ اگر خدا کوئی کلام کرنا چاہتا ہے، تو اس کی زبان سے کہتا ہے، اور خدا کا خون بن جاتا ہے، کہ اگر خدا اپنے مکتب کو معاشرہ میں حیات بخشنا چاہتا ہو تو اس کے خون سے استفادہ کرتا ہے۔ امام علی علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں ثار اللہ ہیں، کیونکہ جو خون ان دو اماموں کا زمین پر گرا، وہ دین اسلام کو نئی زندگی بخشنے کا سبب بنا ہے

بہر حال ہماری دینی کتابوں میں ثار اللہ، کا لقب امام حسین علیہ السلام کے لئے استعمال ہوا ہے ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر چہ اس کے پہلے معنی بھی صحیح ہیں، لیکن اس کے دوسرے معنی بھی لقب ثار اللہ کے صحیح معنی ہو سکتے ہیں اور ان معنی کو پانے والے اہل افراد کو بعض لحاظ سے اولویت میں قرار دے سکتے ہیں۔

اس لحاظ سے، امام حسین علیہ السلام خون خدا ہیں، کیونکہ ان کے خون نے دین اسلام کو ایک نئی حیات بخشی ہے اور خدا کا نام زندہ رہنے کا سبب بنی ہے حقیقت میں رفتہ رفتہ خدا کی یاد محو ہو رہی تھی اور اس کی عبادت، عادت میں تبدیل ہو رہی تھی

اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اسلام نبی الحدوث وحسینی البقاء ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کے لئے خون کی ضرورت ہوتی ہے، اور رگوں میں خون کا جاری رہنا زندگی کی علامت ہے اور جب خون رگوں میں جاری ہونے سے رک جاتا ہے، تو شخص کی موت آجاتی ہے بالکل اسی

طرح اسلام کی رگوں میں بھی خون کے جاری رہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی بنا پر اگر ایک دن یہ خون بدن سے جدا ہو جائے تو اس بدن کی موت یقینی اور قطعی ہوتی ہے اور اس کے بعد باقی رہنے والا صرف ایک بے روح جسم ہوتا ہے۔[14]

حواشی:

[1] کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، ج4، ص576. یہ جملہ اول رجب، 15 رجب، اور شعبان کی زیارتوں کے علاوہ عرفہ کے دن امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں آیا ہے۔

[2] مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج45، ص333؛ کریمی، علی، در سوگ امیر آزادی۔ گویا ترین تاریخ کربلا، ص385.

[3] امام حسین علیہ السلام کے لئے چار ہزار فرشتے زمین پر اترے اور دیکھا کہ امام قتل کئے گئے ہیں، اس لئے حضرت علیہ السلام کی قبر پر خاک بر سر حالت میں امام زمانہ (عج) کے ظہور تک موجود رہیں گے اور ان کا نعرہ: یا لثارات الحسین. ہے: شیخ صدوق، الأمالی، ص130، المجلس السابع و العشرون؛ مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج44، ص286.

[4] قمی، شیخ عباس، منتہی الآمال، ج1، ص542؛ ہمچنین امام باقر (ع) فرمود: وَ الْقَائِمُ مِنَّا إِذَا قَامَ طَلَبَ بِثَأْرِ الْحُسَيْنِ (ع)، مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج44، ص218.

[5] مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج52، ص308.

[6] صاحب تفسیر نمونہ کہتے ہیں: ثار کبھی عرب لغت میں خون کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ خون بہا کے معنی میں آیا ہے (عرب میں خون دم پر اطلاق ہوتا ہے)؛

مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج4، ص229.

[7] .و أنك ثار الله فی الأرض. کی شرح میں کہتے ہیں: .الثأر بالھمز. الدم و طلب الدم أی أنك أھل ثار الله و الذی یطلب الله بدمه من أعدائه أو ھو الطالب بدمه و دماء أھل بیته بأمر الله فی الرجعة.، مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج98، ص151.

[8] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، ج4، ص97.

[9] ملاحظہ ہو: مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج4، ص229؛ قرائتی، محسن، تفسیر نور، ج2، ص443.

[10] ہود، 64.

[11] ابراہیم، 37.

[12] .هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ. الإضافة إلی الله تشریفیة، کإضافة مکة إلی الله یقال: .بیت الله.. و إضافة دم الحسین إلی الله یقال: .ثار الله.: ملاحظہ ہو: حسینی شیرازی، سید محمد، تقریب القرآن إلی الأذہان، ج2، ص200.

[13] جو چیز انسان کو خدا کے قریب لاتی ہے، وہ نوافل کے مانند ہے کہ مقربات کے معنی میں ہے جسے خداوند متعال نے اپنے بندوں پر واجب نہیں کیا ہے، بلکہ وہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے اسے بجالاتے ہیں۔

[14] مزید آگاہی کے لئے ملاحظہ ہو:: ترخان، قاسم، نگرشی عرفانی، فلسفی و کلامی بہ: شخصیت و قیام امام حسین علیہ السلام، ص 91 – 104، انتشارات چلچراغ، طبع اول، 1388 ش.. قابل بیان ہے کہ تمام منابع مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی،

نور سے متعلق ہیں۔

(۲) امام حسین علیہ السلام کے بدن مطہر کو کس نے دفن کیا؟

اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف نظر ہے۔ احادیث اور تاریخ کی کتابوں اس سلسلہ میں بیان کئے گئے نظریات میں سے ایک یہ ہے کہ: امام حسین علیہ السلام کے بدن مطہر آپ کے فرزند ارجمند امام زین العابدین علیہ السلام نے کربلا کی سرزمین میں سپرد خاک کیا چونکہ امام کے علاوہ کوئی تجہیز و تکفین اور تدفین نہیں کرسکتا ہے، اس لئے امام زین العابدین علیہ السلام شہداء کربلا کی پہچان اور تدفین کے لئے کوفہ اور ابن زیاد کے زندان سے معجزہ کے طور پر کربلا تشریف لائے اور شہدا کے مطہر جسدوں کو دفن کیا۔

امام رضا علیہ السلام نے ابن ابوحمزہ کے ساتھ اپنے مناظرہ میں فرمایا: مجھے بتاؤ کہ کیا حسین بن علی علیہ السلام امام تھے؟

اس نے کہا: جی ہاں امام نے فرمایا: پس ان کو دفن کرنے کا کام کس نے انجام دیا؟

اس نے کہا: علی بن الحسین علیہ السلام نے امام نے سوال کیا: علی بن الحسین علیہ السلام اس کہاں تھے؟

جواب میں کہا: کوفہ میں ابن زیاد کے زندان میں تھے لیکن کسی کو خبر کیے بغیر تشریف لائے اور اپنے والد بزرگوار کے دفن کا کام انجام دینے کے بعد دوبارہ زندان میں گئے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علی بن حسین کو یہ قدرت بخشی کہ کربلا میں آ کر امام

باپ کو دفن کر کے واپس لوٹیں، وہ مجھے بھی بغداد لے جاسکتا ہے تا کہ اپنے باپ کی تجہیز و تکفین و تدفین کر سکوں جبکہ میں نہ زندان میں ہوں اور نہ اسیر ہوں۔"

اس حدیث کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے اپنے باپ امام حسین علیہ السلام کے بدن پاک کو سپرد خاک کیا ہے۔

---

[1] موسوی مقدم، عبدالرزاق، زندگانی امام زین العابدینؑ، ترجمہ حبیب روحانی، ص:۸۰۷۵۔ شریف قرشی، باقر، تحلیلی از زندگانی امام سجادؑ، ترجمہ محمد رضا عطائی، ج ا،ص ۲۴۳

(۳) کیا کل یوم عاشورا وکل ارض کربلا کوئی روایت یا حدیث ہے؟ اور اس کی سند واعتبار کس حد تک صحیح ہے؟

حدیث کی کتابوں میں ہمیں ایسی کوئی سند نہیں ملی [1]، جس سے ثابت ہو جائے کہ: کل یوم عاشورا وکل ارض کربلا کسی معصوم کی حدیث ہے [2]۔

لیکن یہ عبارت، کربلا کے واقعہ اور امامت سے متعلق احادیث کے مجموعہ کے مفاہیم کی عکاسی کرتی ہے اور اس میں ایک سبق آموز اور خوبصورت پیغام ہے، کیونکہ اگر چہ عاشورا جیسا دن رونما نہیں ہوگا، لیکن ہمیشہ ظالموں کا ظلم اور مظلوموں پر ستم جاری ہے اور یہ ظلم وستم قائم آل محمد "عج" کے ظہور تک جاری رہے گا اور وہی ظہور کر کے اس ظلم وستم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکیں گے۔ لیکن زمان ومکان پر جاری عاشورا کی ثقافت اور کربلا، مقصد کی راہ میں ظلم وستم اور بے انصافی سے مبارزہ اور استقامت کی علامت ہے۔ ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام نے ہمیں ظالم سے

مقابلہ کرنا سکھایا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، اور عاشورا ایک زمان و مکان کی محدودیت میں بند نہیں ہو سکتا ہے۔

کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا کا جملہ ہر زمان و مکان میں حق و باطل کی جنگ کے جاری رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ عاشورا اور کربلا اس طولانی زنجیر کی واضح ترین کڑی ہے۔ حق و باطل ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلے میں برسر پیکار ہوتے ہیں اور آزاد انسانوں کا فریضہ حق کی پاسداری اور باطل سے پیکار کرنا ہے اور حق و باطل کے اس معرکہ سے دامن بچا کر گزر جانا، بے دینی ہے۔

حضرت امام خمینی "رح"، جو امام حسین علیہ السلام کے حقیقی پیرو تھے اور اسلامی جمہوریہ کے بانی اور عصر حاضر کے ظالموں کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے مبارز ہیں، اس جملہ کو ایک عظیم کلام سے یاد کرتے ہیں اور عاشورا کے معنی کی حفاظت کرنے اور کربلا کے درس کو عملی جامہ پہنانے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ جملہ "کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا" ایک عظیم جملہ ہے۔۔۔۔ ہماری قوم کو ہر دن کی یہی تفسیر کرنی چاہیئے کہ آج عاشورا ہے اور ہمیں ظلم کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے اور یہیں پر کربلا ہے اور ہمیں کربلا کے کردار پر عمل کرنا چاہیئے، یہ صرف ایک سرزمین تک محدود نہیں ہے۔ ایک ہی قسم کے افراد میں محدود نہیں ہے کربلا کا قضیہ صرف ستر سے زائد افراد اور ایک سرزمین کربلا تک محدود نہیں، تمام زمینوں کو یہ کردار ادا کرنا چاہیئے [3]۔

حقیقت میں امام خمینی "رح" نے اپنے اسلامی انقلاب کو حسینی تحریک کی بنیادوں پر قرار دیا اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا قیام اور آپ علیہ السلام کی شہادت کو مسلمانوں کے اجتماعی طور پر کام کرنے کا معیار قرار دیا جانا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں امام خمینی "رح" فرماتے ہیں: جو کام سید الشہداء علیہ السلام نے انجام دیا، اور جو نصب العین وہ رکھتے تھے اور جس راہ پر

وہ چلے اور کامیابی انہیں شہادت کے بعد حاصل ہوئی وہ اسلام کے لیے حاصل ہوئی۔ یہ سبق آموز عبارت فریضہ بھی ہے اور خوشخبری بھی، فریضہ اس لحاظ سے کہ مستضعفین پر فرض ہے کہ وہ کیل کانٹے سے لیس سامراجی اور شیطانی طاقتوں کے خلاف، سید الشہداء علیہ السلام کے مانند قیام کریں۔ اور خوشخبری اس لحاظ سے ہے کہ ہمارے شہیدوں کو کربلا کے شہیدوں میں شمار کیا گیا ہے۔

اس رہبر عظیم الشان نے جنگ کے دوران فرمایا: کربلا کی جنگ اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے مختصر ''نصف دن کی'' جنگ تھی، لیکن ایک لحاظ سے یہ ظلم و باطل سے طویل ترین جنگ ہے اور جب تک ہر تمنا رکھنے والا یہ آرزو کرے کہ کاش میں بھی کربلا میں ہوتا اور سید الشہداء کی مدد کرتے ہوئے شہادت پر فائز ہوتا ،یا لیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیماً[4]۔ اس کے لیے کربلا کا محاذ گرم اور عاشورا کا معرکہ جاری ہے[5]۔

بہتر الفاظ میں، جس طرح امام حسین علیہ السلام، آدم، ابراہیم، نوح ''علیہم السلام'' اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں، اسی طرح عاشورا کے پیرو بھی خط سرخ شہادت کے وارث ہیں اور وہ کربلا کے پرچم کو زمین پر گرنے نہیں دیتے اور سیاسی پہلو میں یہی تشیع کا جوہر ہے، چنانچہ خود امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: فلکم فی اسوۃ، میرا کام، آپ لوگوں کے لیے مثال ہے[6]۔

یہ نظریہ، اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے، جو کربلا اور حسین علیہ السلام کے قیام کو صرف امام علیہ السلام تک محدود فریضہ جانتے ہیں، جس کی پیروی نہیں کی جا سکتی ہے۔

ایک مصنف لکھتا ہے:

ہمیں یقین ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام ہمارے زمانہ میں ہوتے ،تو قدس، جنوب لبنان اور مسلمانوں کے اکثر علاقوں میں دوسرا کربلا برپا کرتے اور وہی موقف اختیار کرتے ، جو انہوں نے معاویہ اور یزید کے مقابلے میں اختیار کیا تھا۔

حواشی:

[1] البتہ بعض لوگوں نے مزکورہ جملہ کو مدرک و ماخذ کے بغیر امام صادق علیہ السلام کی زبان سے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: پیام عاشورا، عباس عزیزی، ص28؛ فرہنگ عاشورا، جواد محدثی، ص371..

[2] البتہ کچھ لوگوں نے ایسے قرائن بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ معصومین کی حدیث نہیں ہے، ملاحظہ ہو: مجلہ ی علوم حدیث، شمارہ26..

[3] صحیفہ نور، ج9، ص202.

[4] زیارت عاشورا.

[5] صحیفہ نور، ج20، ص195.

[6] تاریخ طبری، ج4، ص304.

[7] ابیاتی از مثنوی: شیعہ نامہ، محمد رضا آقاسی (کیہان 12 /6 /71).

(۴) کیا عاشورا کے دن جنات اور فرشتے امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے آ گئے؟ حضرت علیہ السلام نے اس مدد کی پیشکش کو کیوں قبول نہیں کیا؟

امام حسین علیہ السلام کے لئے نصرت الٰہی کا نازل ہونا۔

احادیث کی بعض کتابوں میں جنات اور فرشتوں کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کو خدا کی طرف سے مدد و نصرت سے متعلق کچھ احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام نے بیان کی ہیں اور ان میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے مثال کے طور پر: شیخ مفید اپنی سند سے امام صادق علیہ السلام سے اس

روایت کو نقل کرتے ہیں کہ: جس وقت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے نکلے، ملائکہ کی ایک جماعت مدد کی پیشکش لے کر حضرت علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے علاوہ مسلمان اور شیعہ جنات کے کئی گروہ بھی حضرت علیہ السلام کی مدد کے لئے حاضر ہوئے، لیکن حضرت علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے، میں اپنے کام کا مسئول ہوں اور میرے قتل کی جگہ اور وقت معین ہے جنات نے کہا: اگر آپ کا حکم نہ ہوتا تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو قتل کر ڈالتے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا: ہم اس کام میں آپ سے طاقتورتر ہیں، لیکن ایسا نہیں کرتے ہیں تا کہ گمراہ ہونے والوں کی حجت تمام کی جائے اور جو راہ حق کو قبول کرتے ہیں، وہ اسے آگاہی اور دلیل سے قبول کریں۔[1]

اسی طرح امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: جب امام حسین علیہ السلام کی عمر سعد کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ چھڑ گئی، تو خداوند متعال نے اپنی نصرت کو نازل کیا تا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر پر سایہ پھیلائے، اور اس وقت امام علیہ السلام دشمنوں پر فتح پانے اور اپنے پروردگار سے ملاقی ہونے کے درمیان مختار ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام نے لقاء اللہ کو منتخب کیا[2]

اس کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے، امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے آگئے، پہلے مرحلہ میں انہیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، لیکن دوسرے مرحلہ میں جب آگئے، تو اس وقت امام حسین علیہ السلام شہید ہو چکے تھے، امام صادق علیہ السلام کی اس روایت کے مانند کہ: چار ہزار فرشتے نازل ہوئے تا کہ امام حسین علیہ السلام کے دوش بدوش لڑیں، لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی۔ خدا سے اجازت لے کر جب پھر نازل ہوئے تو یہ وہ وقت تھا، جب امام حسین علیہ السلام قتل ہو چکے تھے---[3]

مختصر یہ کہ اس قسم کے مطالب روایتوں میں موجود ہیں اور صحیح بھی ہیں اور کسی دانشور اور

دینی امور کے ماہر نے ان کو مسترد نہیں کیا ہے، کیونکہ اعتقادات اور اسلامی معارف کے ساتھ ان کا کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ ملائکہ اور جنات وغیرہ کے ذریعہ خداوند متعال کی طرف سے مدد پہنچانے کا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی تھا خداوند متعال قرآن مجید میں پیغمبر اکرم (ص) سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے: (یاد کرنا) جب تم (میدان بدر میں شدید تکلیف کی وجہ سے) پرور دگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور کہا) میں ایک ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کر رہا ہوں جو ایک کے پیچھے ایک آرہے ہیں [4] اور مثال کے طور پر جنگ احزاب وغیرہ میں مسلمانوں کو امداد پہنچانا، یہ امداد فرشتوں اور جنات کی طرف سے ہوتی تھی کہ کچھ مصلحتوں کی وجہ سے ان کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا تھا

امام حسین علیہ السلام نے جنات اور فرشتوں کی مدد کو کیوں قبول نہیں کیا؟

اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ: شاید مندرجہ ذیل دلائل کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام نے اس امداد کی پیشکش کو قبول نہیں کیا:

اس زمانہ میں معاویہ اور یزید کی طرف سے پیدا کئے گئے سیاسی حالات کے پیش نظر کہ دین کے نام پر ایسے کام انجام دئے جاتے تھے جو حقیقت میں دین کے خلاف تھے اور اس طرح حق و باطل کی تشخیص کرنا مشکل بن چکا تھا، تنہا طریقہ جو دین خدا کو ایک بار پھر زندہ کر سکتا تھا، امام حسین علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد کی شہادت تھی۔ [5]

جو کچھ اس سلسلہ میں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ کیا گیا، وہ حضرت علیہ السلام کے لئے شہادت کا مقدر ہونا تھا تاکہ اس کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کا مقصد، یعنی پیغمبر (ص) کی امت کی اصلاح، محقق ہو جائے۔ [6]

امام حسین علیہ السلام شہادت کو زیباترین اور بہترین موت جانتے تھے، امام حسین علیہ السلام نے اس حقیقت کا مکہ سے عراق روانہ ہوتے وقت اپنے ایک خطبہ میں اشارہ فرمایا ہے: فرزند آدم

کے لئے موت کی زیبائی، دلہن کی گردن میں گردن بند کی زیبائی کے مانند ہے [7] یعنی موت، جبری نہیں ہے، بلکہ گردن بند کے مانند زیبا ہے، انسان کیوں اس گردن بند کو راہ خدا میں اپنی گردن میں نہ ڈالے؟ اور دین کی راہ میں امام حسین علیہ السلام کے لئے موت شہد کے مانند شیرین تھی۔

[8] اور شہادت کوئی نقص نہیں ہے کہ فرشتوں سے مدد طلب کرے، بلکہ کمال ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام شہادت کو کمال جانتے تھے، اور وہ آگ میں ڈالے جانے سے نہیں ڈرے اور جبرئیل علیہ السلام سے بھی کوئی مدد طلب نہیں کی اگرچہ مسلسل خدا کی یاد میں تھے اور اس سے مدد طلب کرتے تھے۔[9]

امام حسین علیہ السلام کے لئے لقاء اللہ اور انبیاء کی ملاقات، وہ بھی ان حالات میں، جب اپنے آباو اجداد سے ملاقی ہونا اس دنیا میں رہنے سے اہم تر جانتے تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ کے اس خطبہ میں فرماتے ہیں: مجھے اپنے آباو اجداد سے ملاقی ہونے کا اشتیاق، یعقوب علیہ السلام کے یوسف علیہ السلام سے ملنے کے اشتیاق کے مانند ہے[10]

حضرت امام حسین علیہ السلام معجزہ اور کرامت سے استفادہ کرنا نہیں چاہتے تھے، جبکہ بلا شک امام حسین علیہ السلام معجزہ اور ولایت تکوینی سے دشمنوں پر غلبہ پانے کی طاقت رکھتے تھے اور یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو ملائکہ اور جنات کی مدد کی بھی ضرورت نہیں تھی، لیکن ظاہر پر عمل کرنے والے ماموراافراد معجزہ اور کرامت سے استفادہ نہیں کرتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی قدرو منزلت جو مسلمانوں کے علاوہ عدل وانصاف کے دلدادوں میں بھی بلند ہے، یہ اس لئے ہے کہ آپ علیہ السلام نے ظاہری اور فطری امور پر عمل کیا۔ امام حسین علیہ السلام کا اپنے اہل بیت علیہ السلام کو ایک نابرابر جنگ کی طرف لے جانا اور ان کا اسیر ہوجانا اور ان کی بے احترامی ہونا اس امر کا سبب بنا کہ امام حسین علیہ السلام کا قیام ابدی اور جاودان بن جائے امام حسین علیہ السلام قیام کے بغیر صرف کرامت سے استفادہ کرکے یزید کو سرنگوں نہیں کرنا چاہتے تھے؟

---

[1] علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج44، ص330، موسسۃ الوفاء، بیروت لبنان۔

[2] سید بن طاووس، لہوف، ص141، ترجمہ میر ابوطالبی، سید ابوالحسن، ناشر: دلیل ما، قم، طبع اول، 1380ش۔

[3] شیخ صدوق، امالی، ترجمہ کمرہ ای، محمد باقر، ص638، اسلامیہ، تہران، طبع ششم، 1376: البتہ اس روایت کی شبیہ روایت کی مرحوم کلینی میں بھی آئی ہے ہم آمدہ است، الکافی، ج1، ص283، 284۔

[4] انفال، 9۔

[5] ملاحظہ ہو: مصباح یزدی، محمد تقی، آذرخشی دیگر از آسمان کربلا، از ص44-66، انتشارات موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، طبع پنجم، 1380۔

[6] بحار الانوار، ج44، ص329۔

[7] حار الانوار، ج44، ص366؛ محدث اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج2، ص29، ناشر: بنی ہاشمی، تبریز، چاپ اول، 1381؛ لہوف، ص110، 111۔

[8] ملاحظہ ہو: جوادی آملی، عبداللہ، شکوفایی عقل در پرتو نہضت حسینی، ص28 تا 30، مرکز چاپ وانتشارات اسراء، طبع پنجم، 1387ش۔

[9] شکوفایی عقل در پرتو نہضت حسینی، ص27۔

[10] حار الانوار، ج44، ص366؛ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج2، ص29؛ لہوف، ص110، 111۔

(۵) کیوں عاشورا کی یاد کو تازہ کرنے لیے صرف گفتگو کو ہی کافی نہیں سمجھا جاتا؟

اس سوال کے جواب میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اگر یہ طریقے شخصیت امام حسین علیہ السلام کے اوپر روشنی ڈالنے کے لیے اپنائے جائیں تو یقیناً بے حد مفید ثابت ہوں گے البتہ ان سارے طریقوں پر ہمارے سماج میں عمل کیا جا چکا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عاشورا جیسے عظیم واقعہ سے صحیح معنی میں فائدہ اٹھانے کے لیے کیا اس طرح کے اقدامات کافی ہیں؟ اس سوال کا جواب اس بات پر متوقف ہے کہ ہم انسان کے وجود کا ایک نفسیاتی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا انسان کے کردار اور اعمال پر جو عوامل اثر انداز ہوتے ہیں کیا وہ یہی عوامل شناخت و معرفت ہیں۔ یا ہمارے اجتماعی اور انفرادی کردار کے اندر کچھ دوسرے عوامل بھی درکار ہیں۔

جب ہم اپنے کردار و رفتار کے اوپر دقت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دو طرح کے عوامل ہمارے کردار کے اوپر بنیادی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک طرح کے عوامل، عوامل شناخت ہیں جو باعث بنتے ہیں کہ ہم کسی مطلب کو سمجھیں اور قبول کریں خواہ وہ کسی بھی موضوع سے مربوط ہوں۔ البتہ موضوع کے حساب سے اس کے لیے عقلی براہین و دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یقیناً شناخت ہمارے کردار پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صرف یہی عامل اثر انداز ہوتا ہے بلکہ دوسرے عوامل بھی موجود ہیں شاید جن کا اثر ہماری رفتار کے اوپر شناخت کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہو۔ ان عوامل کو کلی طور پر احساسات، تمایلات، عواطف اور غرائز کا نام دیتے ہیں۔ درونی اور نفسیاتی عوامل کا یہ سلسلہ ہمارے کردار کے اوپر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے۔ جب بھی آپ اپنی رفتار کا ایک تحلیلی جائزہ لیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ اصلی عامل جس نے آپ کو اس رفتار کے انجام دینے پر آمادہ کیا ہے وہ یہی درونی اور نفسیاتی عامل ہے

خواہ وہ رفتار انفرادی ہو یا اجتماعی۔ مرحوم استاد شہید مطہری نے انسان کے ان نفسیاتی اعمال کے سلسلے میں ایک تشبیہ کے ساتھ ایک مثال بیان کی ہے انہوں نے انسان کی رفتار کو گاڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ایک گاڑی کو حرکت میں لانے کے لیے دو عوامل کی ضرورت پڑتی ہے ایک عامل جس سے مکینکی طاقت گاڑی کے اندر ایجاد ہوتی ہے جس سے گاڑی حرکت میں آتی ہے اس مکینکی طاقت کے علاوہ گاڑی کے اندر ہیڈلائیٹس کا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ راستہ کو دکھلا سکے۔ اور گاڑی کو کسی کھائی میں گرنے سے بچا سکے۔ اگر کسی تاریک علاقہ میں گاڑی کا انجن بلکل صحیح طریقے سے کام کر رہا ہو اور مکینکی طاقت بھی ایجاد کر رہا ہو لیکن ہم راستے کو نہ دیکھ رہے ہوں ممکن ہے کسی بہت بڑے خطرناک حادثہ کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ ممکن ہے ایسا حادثہ پیش آجائے جو ڈرائیور اور مسافروں کے لیے جان لیوا ثابت ہو جائے۔ پس گاڑی کو پیٹرول اور دوسری مکینکی قوتوں کے علاوہ ہیڈلائیٹس کی بھی ضرورت ہے تا کہ وہ راستے کو دکھلا سکیں۔ اسی طرح انسانی وجود کو بھی دو طرح کے عوامل کی ضرورت ہے۔ ایک وہ عامل جو ہمارے کسی عمل کو انجام دینے کا جذبہ پیدا کرے تا کہ ہر کام کے لیے شوق پیدا کرے اور ذوق وشوق کے ساتھ اس عمل کو انجام دیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کس دلیل کے تحت ہم یہ کام انجام دے رہے ہیں؟ یہ کام ہمارے لیے کیا فائدہ رکھتا ہے؟ اور اس کام کو کس طرح انجام دیں؟ مذکورہ عوامل، عوامل شناخت میں سے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان عوامل کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں اور تجربہ اور استدلال سے بھی انہیں حاصل کریں۔

ضروری ہے کہ جس کام کو انجام دینا چاہتے ہیں پہلے اس سے مربوط منابع کی طرف رجوع کریں اور لازم شناخت کو حاصل کریں۔ لیکن ہمیں متحرک کرنے کے لیے صرف شناخت کافی نہیں ہے بلکہ دوسرے نفسیاتی اور درونی عوامل کی بھی ضرورت ہے جو ہمارے اندر جذبہ پیدا کریں اور ہمیں اپنے مورد نظر امور کو انجام دینے کے لیے آگے بڑھائیں۔ اس طرح کے عوامل کو

نفسیاتی عوامل کہا جاتا ہے انہیں دوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے جیسے احساسات، عواطف ۔کلی طور پر یہ عوامل انسان کو کام انجام دینے کی طرف مائل کرتے ہیں انسان کے اندر عشق و ہیجان پیدا کرتے ہیں جب تک یہ عوامل موجود نہ ہوں تو کوئی بھی کام عملی صورت اختیار نہیں کر پاتا۔حتی اگر انسان یقین بھی رکھتا ہو۔مثال کے طور پر انسان کو یقین ہو کہ فلاں غذا انسان کے بدن اور اس کی صحت کے لیے بے حد مفید ہے جب تک بھوک کا احساس نہ کرے اور اس کے اندر بھوک نہ بھڑکے تو وہ اس کی طرف نہیں بڑھے گا۔یا مثلاً بعض لوگوں کی بھوک مر جاتی ہے یا انہیں کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں بھوک نہ لگے جتنا بھی ان سے کہیں گے کہ یہ غذا آپ کے بدن کے لیے بہت مفید ہے وہ اس کھانے کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔لہٰذا ضروری ہے کہ شناخت اور علم کے علاوہ احساسات اور جذبات بھی انسان کے اندر ہونا چاہیے۔اجتماعی اور سیاسی مسائل کی بھی یہی مثال ہے۔اگر انسان جانتا بھی ہو کہ فلاں تحریک سماج اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے بے حد مفید ہے لیکن اگر اس کے انجام دینے کا جذبہ نہ رکھتا ہو تو وہ تحریک عملی جامہ نہیں پہن سکتی۔اس کے سلسلے میں قیل وقال سے کام لے گا اور کہے گا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کام کو انجام دینا اچھی بات ہے اور اس کا نتیجہ بھی اچھا ہو گا۔لیکن میرے پاس اس کام کو انجام دینے کا جذبہ بھی ہونا چاہیے کوئی سبب ہو جو مجھے اس کام کو انجام دینے پر ابھارے۔

اب ہم نے قبول کر لیا ہے کہ کسی بھی آگاہ تحریک اور انسانی رفتار کے لیے دو طرح کے عوامل کی ضرورت ہے عوامل شناخت اور اور عوامل احساسات اور جذبات۔اب اس کے بعد کہ جب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اس تحریک کا سعادت بشریت میں کتنا اہم رول ہے ہم متوجہ ہو جائیں گے صرف شناخت خود بخود ہمارے لیے سبب حرکت نہیں بن سکتی۔اس وقت شناخت اور اس حادثہ کو یاد کرنے سے ہم امام کے عمل سے مشابہ کسی عمل کو انجام دے سکتے ہیں جب ہمارے اندر جذبہ پیدا ہو جائے۔اور اس جذبہ کی بنا پر ہم چاہیں گے کہ اس تحریک کو

مقام عمل میں لے آئیں۔ خود شناخت اس طرح کے تمایلات کے ایجاد کا باعث نہیں بنتی ہے۔ پس ہمارے احساسات و جذبات حرکت میں آئیں ہمارے عواطف بیدار ہو جائیں ہمارے اندر شوق پیدا ہو پھر صورت میں ان کے عمل سے مشابہ کوئی عمل انجام دے سکتے ہیں لہٰذا معلوم ہو گیا ہے کہ اس طرح کے کسی امر کے محقق ہونے کے لیے یقیناً دو طرح کے عوامل کی ضرورت ہے علمی نشستیں، گفتگوئیں، تقاریر ایک حصہ کو تامین کرتے ہیں یعنی ان سے لازم شناخت ملتی ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے عوامل کی بھی ضرورت ہے، جن سے ہمارے احساسات کو تقویت ملے۔

ممکن ہے یاد دہانی اور مطالعہ کسی حادثہ کے سلسلے میں اثر انداز ہو لیکن اساسی اور بنیادی رول وہ چیزیں ادا کرتی ہیں جو مستقیماً ہمارے احساسات اور جذبات کے اوپر اثر انداز ہوں۔

جس وقت کوئی حادثہ وجود پائے اور انسان نزدیک سے اس کا نظارہ کرے انسان کا یہ دیکھنا یا انسان کا اس سے متعلق سننا یا اس حادثہ کے متعلق صرف علم رکھنا کہ یہ حادثہ واقع ہوا ہے ان تینوں موارد یعنی دیکھنے سننے اور جاننے میں بڑا فرق ہے۔ آپ بھی اس نکتہ کو اپنی زندگی میں تجربہ کر سکتے ہیں آپ کسی ایسی چیز کے بارے میں مطلع ہوں جو انجام پا چکی ہو یا انجام پانے والی ہو لیکن آپ اسے اپنی آنکھوں سے انجام پاتے ہوئے دیکھیں اس کی نسبت اس کا اثر اس وقت کئی زیادہ ہوگا جب اسی چیز کو آپ اپنی آنکھوں کے سامنے واقع ہوتا ہوا دیکھیں۔ لہٰذا ان دو مذکورہ حالتوں میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ اس شہر میں بے شمار فقیر تنگدست افراد پائے جاتے ہیں لیکن ایک فقیر شخص کو رقت بار حالت میں دیکھنے سے ہمارے اندر جو حالت پیدا ہو سکتی ہے وہ صرف اس کے بارے میں جاننے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور نہ جاننے سے اس طرح کا اثر ہوگا۔ جب انسان کسی مریض کو تڑپتے ہوئے دیکھتا ہے یا کسی یتیم کی فرسودہ حالت کا مشاہدہ کرتا ہے، ایسا اثر اس کی روح و روان کے اندر ایجاد ہوتا ہے کہ صرف جاننے سے ایسی حالت کبھی بھی ایجاد نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو ہم اپنی زندگی میں بھی بخوبی تجربہ کر سکتے ہیں اور

دینی منابع میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اب مثال کے طور پر قرآن کریم سے ایک داستان آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو آپ سب لوگوں نے سن رکھی ہے آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ خداوند عالم کی جانب سے کوہ طور پر مدعو ہوئے تا کہ وہاں عبادت کریں لوگوں سے یوں کہا گیا کہ آپ ایک مہینہ تک وہاں قیام کریں گے لیکن خداوند عالم کا ارادہ یہ تھا کہ آپ چالیس دن تک وہاں مقیم رہیں گے: "وواعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃ واتممناھا بعشر"۔

آخری دس دنوں کے بارے میں لوگ مطلع نہیں تھے بنی اسرائیل کی قوم کے لیے ایک طرح کا امتحان تھا تا کہ پتا چلے کہ وہ کس حد تک اپنے ایمان میں استوار ہیں۔ تیس دن کے تمام ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ واپس نہ آئے وہ لوگ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ھارون کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ کیوں تمہارے بھائی واپس نہیں آئے؟ ھارون نے کہا ہم بھی منتظر ہیں انشاء اللہ جلدی آئیں گے۔ دوسرے دن بھی حضرت موسیٰ تشریف نہ لائے تو وہ لوگ ھارون کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ واپس نہیں آئے؟ ان کی تاخیر سے ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر خود چلے گئے ہیں۔ سامری نے اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بچھڑا بنایا اور لوگوں کو اس کی پرستش کی دعوت دی اور کہنے لگا: "ھذا الھکم والہ موسیٰ"۔

یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا خدا بھی یہی ہے وہ خدا جس کے سلسلے میں موسیٰ (ع) نے کہا کہ کوہ طور پر میں اس سے مناجات کروں گا وہ خدا جس نے موسیٰ کو مبعوث رسالت کیا ہے وہ خدا وہی ہے جسے میں نے بنایا ہے۔ بہت سارے بنی اسرائیل اس بچھڑے کے آگے سجدہ ریز ہو گئے اور اس کی پرستش میں مشغول ہو گئے۔ خدائے متعال نے کوہ طور پر موسیٰ کو وحی کی کہ تمہاری قوم کے درمیان تمہاری ان دس دنوں کی غیر موجودگی میں یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ لوگ بچھڑے کی پوجا کرنے لگے ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰ نے کوئی عکس العمل نہیں دکھایا دس دن تمام ہو گئے اور چالیس دنوں کے بعد صحیفہ الٰہی جو آپ پر نازل ہوا تھا لوگوں کے لیے لے کر آئے تا کہ انہیں

قوانین الہی اور شریعت الہیہ پر عمل کی دعوت دیں حضرت موسی لوٹے تو دیکھا کہ لوگ بچھڑے کی پوجا کر رہے ہیں۔ جسے ہی یہ ماجرا دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور صحیفہ کو ایک طرف پھینک دیا:

والقی الواح واخذ براس اخیه یجره الیه

اور اپنے بھائی ھارون کی تلاش میں نکل گئے۔ اور غصہ سے ان کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور پوچھ تاچھ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کیوں لوگوں کو گمراہ ہونے کی اجازت دے دی:

افعصیت امری،

پوری داستان کو بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے ہمارا مقصد صرف اس فرق کو بیان کرنا تھا جو دیکھنے اور سننے میں پایا جاتا ہے۔ خدا نے حضرت موسی کو خبر دی تھی کہ تمہاری قوم بچھڑے کی پوجا کر رہی ہے حضرت موسی کو بھی اس خبر کے سلسلے میں ذرہ بھی شک نہیں تھا کیوں کہ یہ خبر خداوند عالم کی طرف سے تھی لیکن جب اس خبر کو سنا تو غیظ و غضب کے آثار ان پر نمایاں نہ ہوئے لیکن جس وقت واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ بچھڑے کی پوجا پاٹ میں مشغول ہیں صرف یہ دیکھنا تھا کہ آشفتہ اور پریشاں حال ہو گئے اور اسے تحمل نہ سکے اپنے بھائی کے پاس جا کر ان پر اعتراض کیا اس داستان کو بیان کرنے کا مقصد فرق واضح کرنا تھا سننے اور دیکھنے کے درمیان۔ خدائے متعال نے انسان کو کچھ اس طرح خلق کیا ہے کہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے یا کسی منظر کا مشاہدہ کرتا ہے تو جتنا اثر اس سے لیتا ہے دیکھنے یا سننے سے اتنا اثر کبھی بھی نہیں لیتا۔ جب ہم کسی منظر کو تیار کرتے ہیں یا کسی منظر کو دوبارہ بنا کر دیکھاتے ہیں خواہ وقدیمی ہو جدید روشوں کے تحت تیار کیا گیا ہو۔ جیسے نمائش، فلم، ڈرامہ، اس طرح کہ عاشور کا منظر نگاہوں میں گھوم جائے اس منظر کا دوبارہ بنانا اور دیکھانا جتنا اثر رکھتا ہے اس کا بیان کرنا اور سننا ہرگز اتنا اثر نہیں رکھتا۔ اس مسئلہ کے بارے میں آپ نے تجربہ بھی کیا ہوگا واقعات عاشورہ کو آپ نے مکرر سنا ہوگا اس طرح ہے کہ وہ آپ کے

ذہن میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام کو کس طرح شہید کیا گیا لیکن کیا آپ کا یہ جاننا آپ کی آنکھوں سے آنسوں کے جاری ہونے کا باعث بنتا ہے؟ لیکن جب آپ مجالس میں شرکت کرتے ہیں مرثیہ خوان مرثیہ پڑھتا ہے مخصوصا مرثیہ خوان اگر اچھے لحن غمگین اور جذاب صورت میں کربلا کی داستان کو بیان کرے تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسوں کے دریا بہنے لگتے ہیں یہ روش آپ کے احساسات کو بیدار کرنے میں جتنی موثر ہے آپ کا سننا اور جاننا اس کی نسبت آپ پر کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح دکھائی دینا سننے سے کئی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اتنی لمبی چوڑی وضاحتیں بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ علاوہ اس کے کہ ہمیں جاننا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام نے کیوں قیام کیا اور کیوں شہید ہو گئے؟ بجائے اس کے کہ اس واقعہ کو اس طرح پیش کیا جائے کہ حتی المقدور بہتر سنیں اور دیکھیں تا کہ اس سننے اور دیکھنے سے ہمارے اندر جذبات اور احساسات امنڈھ پڑیں۔ اور جس قدر ہمارے اندر عواطف وجذبات بر انگیختہ ہوں گے اسی قدر عاشورہ کا متبرک حادثہ ہماری زندگی میں موثر واقع ہو گا۔ اس بنا پر عاشور کے جلسے میں صرف عالمانہ گفتگو عزاداری کے رول کو نہیں ادا کر سکتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ معاشرے کے اندر ایسے مناظر وجود میں لائیں جائیں جو ان کے احساسات کو ابھاریں۔ یہی کہ جس وقت صبح کو لوگ گھروں سے باہر نکلتے ہیں دیکھتے ہیں کہ سارا شہر سیاہ پوش ہے جگہ جگہ سیاہ علم لگے ہوئے ہیں یہ تغیر وتبدل لوگوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اگرچہ لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ کل محرم کی پہلی تاریخ ہے لیکن علم کا دیکھنا جتنا اثر رکھتا ہے اتنا اثر یہ جاننے میں نہیں ہے کہ کل پہلی محرم ہے۔ ماتمی دستوں کا ہیجانی حالتوں میں ماتم کرتے ہوئے چلنا خود ایک خاص اثر رکھتا ہے کہ شاید اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا طریقہ کار احساسات وجذبات کے تحرک میں اتنا اثر رکھتا ہو۔

پس دوسرا سوال یہ تھا کہ کیوں امام حسین علیہ السلام کی یاد کو صرف بحث وگفتگو، علمی نشستوں اور تقاریر کے ذریعے زندہ نہیں رکھا جا سکتا کیوں عزاداری کرنا ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے

کہ عوامل شناخت کے علاوہ ضروری ہے کہ کچھ ایسے صحنے اور مناظر وجود میں لائے جائیں جس سے ہمارے احساسات اور جذبات تحریک ہوں اگر یہ ہمارے احساسات و جذبات بیدار ہوں اس وقت اس طرح کے اثرات کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں لا سکتے ہیں۔ مخصوصاً ان آخری تیس چالیس سالوں میں امام خمینی (رہ) کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک کے اندر آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ محرم اور صفر کے ایام میں نام سید الشھداء (ع) اور آپ کی عزاداری نے لوگوں میں کس قدر تحرک ایجاد کر دیا اور یہ جوش و ولولہ محرم کے ایام کے علاوہ یا دوسرے رائج پروگراموں کے علاوہ کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ ضروری ہے کہ ایسا کام کیا جائے ایسے مناظر کو دکھایا جائے جس سے لوگوں کے احساسات و عواطف تحریک ہوں اس وقت یہ تمام چیزیں اثر انداز ہوں گی یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں ہم متوجہ ہو جاتے ہیں کہ کیوں امام خمینی (رہ) ہمیشہ فرمایا کرتے تھے ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اسی محرم اور صفر سے ہے۔ کیوں امام خمینی (رہ) اس بات پر مصر تھے کہ عزاداری اسی قدیمی روش سے منائی جائے۔ کیوں کہ تیرا سو سال سے تجربہ ہو گیا تھا کہ یہ امور دینی احساسات و جذبات کو بیدار کرنے میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔ اور ایک معجزہ تخلیق کرتے ہیں۔ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر کامیابیاں انقلاب کے زمانے کی ہوں یا جنگ تحمیلی کے دوران کی۔ صرف اس حسینی حرارت سے حاصل ہوئیں ہیں جو عاشور کے دن ہمارے نوجوان امام حسین علیہ السلام کے نام کی برکت سے حاصل کرتے تھے یہ کوئی معمولی اثر نہیں ہے اور کس طرح سے اس طرح کے عامل کو انسانی معاشرے کے اندر وجود میں لایا جا سکتا ہے؟۔ اتنا جوش و جذبہ اور لوگوں میں تحرک کیسے وجود میں آ سکتا ہے؟۔ اور ایسا کون سا عامل ہے سوائے عشق امام حسین (ع) کے؟۔ اس طرح کہ لوگ شہادت کے عشق میں تڑپیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ دنیا کے کسی مکتب یا سماج میں ایسا کوئی عامل وجود نہیں رکھتا تو ہمارا یہ کہنا اور ہمارا یہ دعوی ہرگز بیجا اور غلط نہیں ہو گا۔ پس ایک بات جو واضح ہو گئی کہ عاشورہ کی یاد کے سلسلے میں بحث و گفتگو کے علاوہ جو ہمیں کرنا

چاہیے وہ بھی عزاداری ہے۔ البتہ اس سوال کا کلی جواب یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو صرف زیور شناخت سے آراستہ نہیں کیا ہے شناخت کے علاوہ ایک دوسری طاقت ہیجان اور تحرک کے نام سے انسان کے اندر قرار دی ہے کہ جس کا عامل احساسات اور عواطف ہیں لہٰذا ان عوامل کو بھی تقویت دینا چاہیے تاکہ اپنے کردار کو صحیح معنی میں نبھا سکیں۔ اور اس کی تقویت کے لیے ہمارے پاس عزاداری کے پروگراموں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(۶) امام حسین علیہ السلام کیوں فراموش نہیں ہوتے؟

زندگانی امام حسین علیہ السلام کی اہمیت کہ جو تاریخ بشریت کا ایک زریں ورق اور ہیجان انگیز ترین واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ فقط اس وجہ سے نہیں کہ ہر سال لاکھوں کروڑوں انسانوں کے احساسات کو ابھارتا ہے اور دیگر تمام مراسم سے زیادہ ہیجان انگیز مراسم بپا ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس میں دینی اور انسانی عواطف و احساسات کے علاوہ اور کوئی چیز محرک نہیں اور یہ حقیقت بھی کسی پر مخفی نہیں کہ اس واقعہ کے لیے جو پرشکوہ اور باعظمت اجتماعات بپا ہوتے ہیں اس اعتبار سے بھی بے نظیر ہیں کہ وہ کسی قسم کے پروپیگنڈے کے محتاج نہیں۔

البتہ جو سوال ابھی تک کافی لوگوں کے لیے واضح نہیں ہوا۔ اور ان کے نزدیک ایک معمہ کی صورت میں باقی ہے وہ یہ ہے کہ اس تاریخی واقعہ کو کیوں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے جبکہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اس کے مشابہ اور واقعات بھی موجود ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ہر سال اس واقعہ کے اجتماعات گزشتہ سال سے بھی زیادہ پرشکوہ اور باعزت منائے جاتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ بنی امیہ جن کو ظاہری فتح ہوئی ان کا نام و نشان تک باقی نہیں لیکن واقعہ کربلا نے ایسا ابدی رنگ اختیار کر لیا ہے کہ لوگوں سے فراموش نہیں ہوتا؟ یہ سوالات اور ان سے ملتے جلتے جوابات

واقعہ کربلا اور اس کے اہداف ومقاصد میں غور وفکر کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتے ہیں اور میرے خیال میں اس مسئلہ کا تجزیہ وتحلیل ان لوگوں کے لیے جو تاریخ اسلام سے واقف ہیں اتنا زیادہ پیچیدہ اور مشکل نہیں۔

واقعہ کربلا دو سیاسی پارٹیوں کی کرسی یا مال و دولت اور زمین وغیرہ حاصل کرنے پر جنگ نہ تھی۔ یہ واقعہ دو گروہوں اور دو قبیلوں کی ذاتی دشمنی پر رونما نہیں ہوا۔ یہ واقعہ دو فکری و عقیدتی مکاتب کا معرکہ تھا یا درحقیقت حق و باطل کی جنگ تھی جو ابتدائے تاریخ بشریت سے جاری تھی اور ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ یہ معرکہ اور جنگ تمام پیغمبروں اور تمام اصلاح طلب افراد کے معرکہ کی ایک کڑی تھی۔

بالفاظِ دیگر یہ واقعہ جنگِ بدر واحزاب ہی کے مقاصد کی تکمیل کا ایک حصہ تھا۔ یہ بات واضح و روشن ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشریت کو بت پرستی یا خرافات اور جہالت وگمراہی سے نجات دینے کے واسطے فکری و اجتماعی انقلاب کی رہبری کے لئے قدم اٹھایا اور ضلالت وگمراہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے حق طلب افراد کو اپنے اردگرد جمع کیا تو اس وقت اس اصلاحی قیام کے مخالفین نے متحد و منظم ہو کر اس آواز کو خاموش کرنے کی خاطر اپنی تمام تر کوششیں شروع کر دیں۔ ان اسلام وانقلاب دشمن عناصر کی باگ ڈور بنی امیہ کے ہاتھ میں تھی مگر ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود عظمتِ اسلام کے سامنے انہیں مجبوراً گھٹنے ٹیکنے پڑے اور ان کی تمام تر کوششیں ناکام ہو گئیں۔

ان کی ناکامی کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ پوری طرح ختم ہو چکے ہوں بلکہ جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ظاہری طور پر اس انقلاب کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے ہر ناکام اور ضعیف دشمن کی طرح اپنی ظاہری و آشکارا کوششوں کو پس پردہ اور خفیہ صورت میں شروع کر دیا اور مناسب وقت وفرصت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد

بنی امیہ نے لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی طرف لے جانے کے لیے حکومت اور حکومتی عہدوں میں نفوذ پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی اور مسلمان جس قدر زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہوتے گئے بنی امیہ کے لیے مناسب موقع فراہم ہوتا گیا اور تقوی اور علمی، اخلاقی اور معنوی لیاقت کی بناء پر کسی کو کوئی عہدہ ومقام دیا جاتا تھا۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رشتہ داری اور قوم وقبیلہ معیار بن گیا اور بعض خلفاء کے زمانہ میں حکومتی عہدوں کو خلفاء کے رشتہ داروں اور قوم و قبیلے میں تقسیم کیا جاتا تھا، اسی اثناء میں بہت سے ایسے لوگ عہدوں پر فائز ہو گئے جو اپنے دل میں اسلام کے لیے بغض وعناد رکھتے تھے۔

اور انہوں نے لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی طرف واپس لے جانے کی کوششیں شروع کر دیں یہ کوشش اس قدر شدید تھی کہ حضرت علی علیہ السلام جیسی پاک ترین شخصیت کو بھی اپنی خلافت کے دوران اسی منافقین اور اسلام دشمن عناصر کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اسلام دشمن سازش اس قدر آشکارا تھی کہ خود اس کے رہبر بھی اس کے غیر اسلامی اور اسلام دشمن ہونے پر پردہ نہ ڈال سکے۔ بلکہ ان کے اپنے بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے اہداف ومقاصد کیا تھے۔ اور وہ اسلام سے کس قدر محبت رکھتے تھے۔

جیسے بنی امیہ کے سب سے معتبر شخص کا بنی امیہ اور بنی مروان کے پاس خلافت منتقل ہونے کے بعد پوری بے شرمی سے یہ عجیب وغریب جملہ کہنا۔ "اے بنی امیہ، کوشش کرو کہ حکومت کو ایک ہاتھ میں لے لو۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بہشت ودوزخ کا وجود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قیام ایک سیاسی چال تھی۔" یا شام کے گورنر کا عراق پر قبضہ کرتے وقت یوں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا "اے لوگو! میں اس لئے نہیں آیا کہ تم لوگ نماز پڑھو اور روزہ رکھو، میں تم پر حکومت کرنے آیا ہوں جو شخص میری مخالفت کرے گا اس کو ختم کر دوں گا" اور یزید لعین کا شہداء کے سروں کو دیکھ کر یہ کہنا "اے کاش آج میرے بزرگان زندہ ہوتے، جو جنگ بدر میں

مارے گئے اور دیکھتے کہ میں نے کس طرح بنی ہاشم سے بدلہ لیا ہے" یہ بیانات ان کے غیر اسلامی اور اسلام دشمن اہداف ومقاصد پر بہترین دلیل ہیں اور ان کے ان بیانات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس قدر اسلام کے دلدادہ تھے اور لوگوں کو کس طرف لے جانا چاہتے تھے۔ کیا امام حسین علیہ السلام اس خطرے کے مقابلے میں خاموش بیٹھ سکتے تھے؟ جو اسلام کو لاحق تھا اور یزید کے دور میں اپنی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ کیا خدا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ ہستیاں جنہوں نے اپنے پاک دامن میں انہیں تربیت دی تھی، اس پر راضی ہوتے؟

کیا ان پر لازم نہیں تھا کہ گزشت وفداکاری کے ذریعے اس حکومت کو توڑ دیں جو معاشرہ پر سایہ فگن تھی۔ بنی امیہ کے مذموم اور اسلام دشمن مقاصد کو آشکار کریں اور اپنے پاک خون سے تاریخ اسلام کے لئے درسِ عبرت اور مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل کے طور پر باقی رہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے یہ کام اور اسلام کے مقابلہ میں اپنا فریضہ انجام دیا۔ تاریخ کا رخ موڑ دیا اور بنی امیہ اور ان کے پیروکاروں کی ظالمانہ کوششوں کو ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیا۔

یہ ہے قیامِ حسین علیہ السلام کی حقیقی صورتِ حال اور یہیں سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ نام و تاریخ حسین علیہ السلام کیوں فراموش نہیں ہوتی؟ کیونکہ امام حسین علیہ السلام اور ان کا مقصد ایک خاص زمانہ اور ایک خاص عصر سے مختص نہ تھے۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کا ہدف ومقصد جاودانی اور ہمیشگی تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے راہ خدا و اسلام، راہ حق وعدالت، اور جہالت وگمراہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرنے کے لئے جام شہادت نوش فرمایا۔ کیا یہ چیزیں کبھی پرانی اور فراموش ہونے والی ہیں؟ ہرگز نہیں!

تو جب تک حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہدف ومقصد یعنی خدا، اسلام اور حق طلب انسان باقی ہیں تو اس وقت تک امام حسین علیہ السلام فراموش نہیں ہو سکتے۔

(۷) اولیائے الٰہی کیلئے عزاداری کا فلسفہ کیا ہے؟

اولیائے الٰہی کے سوگ اور غم میں کیوں ماتم اور عزاداری کرتے ہیں؟ کیا انھیں ہمارے ماتم کی ضرورت ہے؟ ہم کیوں ماضی کو یاد کرکے ان کی یاد مناتے ہیں؟ وھابی لوگ اس فعل کو بدعت جانتے ہیں اور شیعوں کو عزاداری برپا کرنے کی وجہ سے سرزنش اور ملامت کرتے ہیں۔ اب ہم ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے عزاداری کی دلیلوں کو بیان کریں گے۔

1۔ عزاداری حب و بغض کا مظہر

حب اور بغض ایسے دو متناقض امر ہیں جو انسان پہ عارض ہوتے ہیں اور انھیں نفس کے تمایل و عدم تمایل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ لوگ جن کی محبت واجب ہے

عقلی اور نقلی دلیلوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض افراد کی انسانوں پر محبت واجب ہے، ملاحظہ کریں:

1۔ خداوند متعال

خداوند متعال کی ذات بابرکت ان افراد میں سرفہرست ہے جس کی محبت اس کے جامع کمال و جمال ہونے کی وجہ سے اور تمام موجودات کے اسی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے، بنیادی طور پہ واجب ہے۔

خداوند متعال فرماتا ہے:

"قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی

اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین" (توبہ:۲۴)

اے رسول! امت سے کہو کہ اے لوگو اگر تم اپنے آباء و اجداد فرزندوں، بھائیوں، عورتوں، رشتہ داروں اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ مال تجارت کہ جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر کہ جن سے تم کو دلی خوشی ہے، کو" خدا اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ دوست رکھتے ہو پس منتظر رہو تا کہ خدا کا امر جاری ہو جائے اور خدا فاسقوں اور بدکاروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

2۔رسول خدا (ص)

وہ افراد کہ جن سے خدا کیلئے محبت کی جائے، رسول اسلام (ص) کی شخصیت ہے کیونکہ وہ تشریع و تکوین کے واسطہ فیض اور شفیع ہیں۔ اسی وجہ سے مذکورہ آیت میں خدا کے نام کے ساتھ ان کا اسم گرامی بھی ذکر کیا گیا ہے اور ان سے محبت کا حکم ہوا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) فرماتے ہیں: " واللہ لما یغذوکم واحبونی بحب اللہ" 1 خدا کو دوست رکھو کیونکہ وہ تمھیں رزق دیتا ہے اور مجھے خدا کیلئے دوست رکھو۔ دوسری طرف سے آنحضرت (ص) کے ذاتی فضائل اور کمالات ایسے عوامل ہیں جو انسان کو ان سے محبت کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی طرف راغب کرتے ہیں۔

3۔اہل بیت علیہم السلام

اہل بیت علیہم السلام کی محبت بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی فضائل و کمالات کا مظہر ہونے کے علاوہ تکوین و تشریع کے درمیان واسطہ فیض ہیں۔ اسی لئے پیغمبر (ص) نے ان سے محبت کا حکم دیا ہے۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: " واحبوا اھل بیتی لحبی" اور میرے اہل بیت سے میرے لئے محبت کرو۔

2۔حب آل رسول کے لازم ہونے کی وجوہات

آل رسولؐ کی محبت خدا و رسول خدا (ص) کی مانند چند دلیلوں کی بناء پر واجب ہے۔

1۔ اہل بیتؑ ہما" حب رسالت سے منسوب ہیں جیسا کہ پیغمبر (ص) نے فرمایا قیامت کے دن میرے علاوہ ہر حسب ونسب قطع ہو جائے گا۔

2۔ اہل بیت خدا و رسول کے محبوب ہیں جیسا کہ حدیث "رأیہ" اور حدیث "طیر" میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

3۔ اہلبیتؑ سے محبت اجر رسالت ہے بقول خداوند متعال "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" (شوریٰ: ۲۳)

4۔ قیامت کے دن آل رسول (ص) کی محبت کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسا کہ خدا فرماتا ہے "وقفوھم انھم مسئولون" (صافات: ۲۴) سبط ابن جوزی مجاہد سے نقل کرتے ہیں: قیامت کے دن علی علیہ السلام سے محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔2

5۔ اہل بیتؑ کتاب خدا کے ہم پلہ ہیں جیسا کہ رسول خدا (ص) نے حدیث ثقلین میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی"

6۔ اہلبیتؑ سے محبت ایمان کی شرط ہے جیسا کہ فریقین سے صحیح السند احادیث وارد ہوئی ہیں کہ رسول (ص) نے علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: اے علی! آپ کو صرف مومن دوست رکھتا ہے اور صرف منافق دشمن رکھتا ہے۔

7۔ اہل بیتؑ امت کے لئے کشتیٔ نجات ہیں جیسا کہ صحیح السند احادیث میں فریقین نے ذکر کیا ہے کہ پیغمبر (ص) نے فرمایا: "مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق"

8۔ اہلبیتؑ کی محبت اعمال و عبادت کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ پیغمبر اسلام (ص) حضرت علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں: اگر میری امت کے لوگ اتنے روزے رکھیں کہ ان کی کمر جھک

جائے سینہ اندر چلا جائے اور اتنی نمازیں پڑھیں کہ ٹہنی کی طرح بن جائیں، لیکن اگر تم سے دشمنی کریں تو خداوند عالم انھیں منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے گا۔3

9۔ اہل بیتؑ اہل زمین کیلئے امان ہیں: رسول اسلام (ص) فرماتے ہیں: ۔۔۔اور میرے اہلبیتؑ زمین والوں کیلئے امان ہیں۔

قابل ذکر یہ ہے کہ محبت ایسی قدرت اور طاقت ہے جو انسان کو متحرک کر کے فعال بنا دیتی ہے تا کہ وہ اپنے محبوب اور مقتداء کی طرف حرکت کرے۔ فوق الذکر مطالب سے مجموعاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مجالس عزاداری بپا کرنا، محبوب سے محبت کرنے کا ایک ذریعہ، راستہ، مظہر اور جلوہ گاہ ہے کیونکہ ایک طرف سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ محبت کے سلسلے میں مختلف درجوں پر فائز ہیں اور دوسری طرف سے محبت کا اثر، صرف تحریک نفس ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اثر عیاں کرتی ہے۔ اسی طرح اس کا خارجی اثر، صرف محبوب کی اطاعت ہی نہیں ہے اگر چہ اطاعت، محبت کے فہم اور اصلی آثار میں سے شمار کی جاتی ہے بلکہ اس کے آثار اور بھی ہیں اور ان دلیلوں کا اطلاق لزوماً ان سب آثار پر شامل ہوتا مگر یہ کہ دوسری دلیلوں میں تعارض پیدا کرے جیسے محبوب کی محبت میں کسی کو قتل کرنا یا شریعت کے خلاف کوئی کام انجام دینا وغیرہ۔

انسان کی زندگی میں محبت کے جلوے

1۔ اطاعت اور پیروی۔

2۔ محبوب کی زیارت۔

3۔ محبوب کی تعظیم۔

4۔ محبوب کی حاجت روائی۔

5۔ مختلف طریقوں سے محبوب کا دفاع۔

6۔ محبوب کے فراق میں غم و ماتم جیسے یوسف علیہ السلام کے فراق اور جدائی میں یعقوب علیہ السلام

کا حزن۔

7۔محبوب کے آثار کی حفاظت۔

8۔محبوب کی نسل اور اولاد کا احترام۔

9۔محبوب سے مربوط چیزوں کا بوسہ لینا۔

10۔محبوب کی ولادت کے موقع پہ جشن منانا اور قصیدہ خوانی غیرہ

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عزاداری، اہلبیتؑ کی محبت کا لازمہ ہے۔

فرہنگ عاشورا کو زندہ رکھنا اور اولیاء الہی کو یاد کرنا عقل کے مطابق ہے

اس بحث کے آغاز میں بتایا گیا کہ عزاداری حب و بغض کا ایک جلوہ اور مظہر ہے۔اگر عقل سلیم کی طرف رجوع کریں تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء خدا خاص کر سرور شہیدان امام حسین علیہ السلام کی عزاداری عقل کے مطابق ہے کیونکہ ان کی تعظیم درحقیقت ان کی شخصیت اور اہداف کی تعظیم وتکریم ہے اور اگر ایک امت اپنے بزرگوں کی تعظیم نہ کرے اور انھیں یاد نہ کرے تو اس کا انجام فقط فنا ونابودی ہے اور یہ رہبر و بزرگ ہیں جو امتوں کی تاریخ میں اصلی کردار ادا کرتے ہیں اور یہی شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں۔

حسینی مشن کے بعض اہداف

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

1۔ "انی لا اری الموت الا سعادۃ والحیاۃ مع الظالمین الا برما" 4

میں ان حالات میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو رنج وغم کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

2۔ -لیس الموت فی سبیل العز الا حیاۃ خالدۃ و لیست الحیاۃ مع الذل الا موت الذی لا حیاۃ معه-

عزت کی موت (عزت کی راہ میں موت) جاودانی حیات کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور ذلت کی زندگی موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

3۔ "ألا و ان الدعی وابن الدعی قد رکز بین اثنتین. بین السلة والذلة وھیھات منا الذلة"

جان لو کہ زنا زادہ فرزند زنا زادہ (ابن زیاد) نے مجھے دو چیزوں میں مخیر کر رکھا ہے، یا ننگی تلوار کے ساتھ کیلئے تیار ہو جاؤں یا ذلت کی زندگی اختیار کروں (اور یزید کی بیعت کروں) لیکن ذلت ہم سے دور ہے۔

4۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامة براع مثل یزید" 5

ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں، جب امت یزید جیسے کی رہبری میں گرفتار ہو جائے تو اسلام کو سلام کہہ دینا چاہیے۔

5۔ "انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ارید ان آمر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرة جدی و ابی علی ابن ابی طالب" 6

میں نے طغیان، اختلاف، فساد اور ظلم کیلئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ میں نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کیلئے خروج (قیام) کیا ہے، میں چاہتا ہوں امر بمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے جد اور والد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سیرت پہ عمل کروں۔

3۔ امت کا اولیاء خدا کے ساتھ عاطفی رابطہ

لوگوں کے عقیدتی، سیاسی اور اجتماعی مسائل کی توجیہ کا ایک مہم اور اصلی طریقہ، انسان کے احساس کو بیدار کرنے کا طریقہ ہے یعنی اس راستے سے ہم ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ اس

لحاظ سے انسان عقل اور دوسرے پہلوؤں کی نسبت زیادہ تاثیر پذیر ہے، دوسری عبارت میں یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے۔ پس اولیاء خدا خاص کر سرور شہیدان امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ کر کے ان کے احساسات اور عواطف کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس طرح سے ان بزرگوں کو اسوہ قرار دے کر ان کے دستورات اور اوامر اور اہداف (جو کہ خدا کے اوامر ہیں) کو لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام سجاد علیہ السلام واقعہ عاشورا کے بعد 20 سال تک شہداء کربلا خاص کر امام حسین علیہ السلام کیلئے گریہ وزاری کرتے رہے۔

یہ بحث، پیغمبر اسلام (ص) کی امام حسین علیہ السلام کیلئے مدح اور تمجید کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: "حسین منی وانا من حسین، احب اللہ من احب حسینا" 7 حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، خداوندا سے دوست رکھے جو حسین کو دوست رکھتا ہے۔

نیز پیغمبر (ص) نے فرمایا: "الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ" 8 حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

عزاداری پر روائی دلیلیں

روایات معصومین علیہم السلام اور صحابہ کی سیرت کو مدنظر رکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ بزرگوار ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مجالس عزا کے اس اہم موضوع پر توجہ کرتے ہوئے اسے بپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حاکم نیشابوری اپنی صحیح سند میں ام الفضل سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں رسول خدا (ص) پہ وارد ہوئی اور عرض کیا: اے رسول خدا! آج رات میں نے ایک بہت ہی برا خواب دیکھا ہے، حضرت نے فرمایا: کیا خواب دیکھا؟ میں نے عرض کیا: بہت ہی برا، فرمایا: کیا

دیکھا؟ میں نے عرض کیا: میں نے عالم رؤیا میں دیکھا گویا کہ آپ کے بدن کا ایک حصہ جدا ہوا اور میری آغوش میں آ گیا، پیغمبر نے فرمایا: بہت ہی اچھا خواب دیکھا ہے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اگر خدا نے چاہا بہت ہی جلد ایک بیٹا ہوگا جو تمھاری آغوش میں ہوگا۔ ام الفضل کہتی ہیں: فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاں امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے اور وہ میری آغوش میں قرار پائے۔ جیسا کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا تھا یہاں تک کہ میں رسول خدا (ص) کے پاس حاضر ہوئی اور انھیں ان کی گود میں رکھا۔ میں رسول خدا (ص) کی طرف متوجہ ہوئی، ناگاہ کیا دیکھا کہ آنحضرت (ص) کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں، کیا ہوا ہے کہ آپ کو روتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ حضرت نے فرمایا: جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور مجھے خبر دی کہ بہت جلد میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کیا: اس فرزند کو؟ فرمایا: ہاں اور اس وقت مجھے اس تربت خونین سے تھوڑی سی خاک دی۔9

حافظ طبرانی اپنی صحیح سند میں شیبان سے نقل کرتے ہیں: میں علی علیہ السلام کے ساتھ تھا جب حضرت سرزمین کربلا پر وارد ہوئے، اس وقت فرمایا: اس جگہ پر کچھ شہید ہوں گے کہ ان جیسا شہداء بدر کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔10

ترمذی صحیح السند حدیث میں سلمی سے نقل کرتا ہے: میں ام سلمی کے پاس حاظر ہوا جبکہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ فرمایا: میں نے عالم رؤیا میں رسول خدا (ص) کو دیکھا جبکہ ان کا سر اور چہرہ خاک آلود تھا، میں نے عرض کیا اے رسول خدا! کیا ہوا؟ یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے فرمایا: میں ابھی حسین علیہ السلام کی شہادت (قتل ہونے) کو دیکھ رہا تھا۔11

اولیاء خدا کی عزاداری میں حاضر ہونا

اولیاء خدا خاص کر امام حسین علیہ السلام کی عزاداری بپا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ثواب بھی ہے اور بزرگان دین اس عمل کو انجام دیتے آئے ہیں۔ بخاری اپنی سند میں عائشہ سے نقل کرتا ہے: جب زید بن حارثہ جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر پیغمبر (ص) تک پہنچی آپ کے چہرے پر حزن اور غم کے آثار نمایاں تھے، آپ مسجد میں داخل ہوئے اور وہیں بیٹھ گئے۔ 12

ابن ہشام اپنی کتاب سیرہ میں لکھتا ہے: جب پیغمبر (ص) مدینہ میں داخل ہوئے شہداء پر نوحہ اور ماتم کی آواز سننے لگے۔ اس وقت آنحضرت (ص) کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے روتے ہوئے فرمایا: حمزہ علیہ السلام پہ رونے والا کوئی نہیں ہے۔ پیغمبر (ص) کا کلام سن کر بنی اشہل کی عورتیں آئیں اور پیغمبر (ص) کے چچا پہ روئیں 13

مجالس عزاداری کے اہداف و مقاصد

اگر شیعوں کے درمیان اس طرح کی سنت رائج ہے تو اس کے مختلف اہداف ہیں جو مختصراً عرض ہیں:

1۔ اسلام کے بزرگوں اور پیشواؤں کا مقام سمجھوانا کہ جن کی تمام زندگی اسلامی معاشرے کیلئے نمونہ عمل اور سرمشق ہے۔

2۔ اہل بیتؑ سے عشق اور محبت میں اضافہ اور زیادتی

3۔ طلب کمال اور فضیلت

4۔ دین کی طرف دعوت اور حقائق سے آگاہی اور لوگوں کو اصلاح کی طرف بلانا اور فساد و انحراف سے روکنا

5۔ لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کے قیام سے آگاہ کرنا

6۔ مجالس عزا کے ضمن میں بھوکوں اور ناداروں کو کھانا کھلانا (جو کہ قرآن و اسلام کے مؤکد دستورات میں سے ہے)

7۔ اہلبیتؑ کے مصائب کو یاد کرنا جس سے اپنی سختیاں اور مصائب آسان ہو جاتی ہیں۔

8۔ رسول خدا (ص)، حضرت فاطمہ زہرا (س) اور تمام ائمہ علیہم السلام سے ہمدردی کا اظہار

9۔ واقعہ عاشورا فراموش نہ ہونے دینا، کیونکہ اگر یہ عزاداری نہ ہوتی تو آنے والی نسلیں حقیقت سے بے خبر رہتیں

10۔ ظالموں خاص کر بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و ستم کو افشا کرنا

11۔ انسانی اور خدائی فضائل میں رشد اور شہادت کیلئے روح کی پرورش کرنا

12۔ اسلام کو زندہ رکھنا کیونکہ اس عزاداری سے اسلام بھی زندہ رہا ہے

امام خمینی (رح) عزاداری کے بارے میں فرماتے ہیں: "۔۔۔ وہ بالکل نہیں جانتے کہ سید الشہداء کا مکتب کیا تھا اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان منبروں، گریہ وزاری اور ماتم نے ۱۴۰۰ سال سے ہمیں اور ہمارے مکتب کو بچائے رکھا ہے اور اب تک اسلام کو بچایا ہے" 14

لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی عزاداری ایک انقلاب، قیام، موج اور اجتماعی مبارزہ و جہاد ہے۔ یہ عزاداری ہی ہے کہ جس کی وجہ سے عواطف اور احساسات میں شعور اور شناخت پید ہو جاتی ہے اور یہی عزاداری معاشرے کے ذہن میں ایمان کو اجاگر کرتی ہے اور مکتب عاشورا کو ایک فکر ساز عنوان کے طور پہ پیش کرتی ہے اور الہام بخش حادثہ کی صورت میں منواتے ہوئے اپنی تاثیر کی حفاظت کرتی ہے۔ عزاداری کا مقصد خط خون و شہادت کو زندہ کرنا اور آل علیؑ کی مظلومیت کی آواز کو تاریخ کے تمام لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اسی عزاداری کے سائے تلے امام حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے قیام اور نہضت کا ہدف بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

حواشی:

1. مستدرک" حاکم، ج ۳، ص ۱۹۴

2. تذکرة الخواص، ص ۱۰

3. تاریخ مدینہ دمشق، ج ۲، ص ۱۴۳

4. تاریخ دمشق، ج ۱۴، ص ۲۱۸

5. مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۸۳

6. بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۸

7. سنن ابن ماجہ، ج ۱، فضائل اصحاب رسول

8. صحیح ترمذی، ج ۵، ص ۶۱۷؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۹

9. المستدرک، ج ۳، ص ۱۷۶؛ کنز العمال، ج ۶، ص ۲۲۳

10. مقتل خوارزمی، ص ۱۶۴

11. مستدرک، ج ۴، ص ۱۹

12. ارشاد الساری، ج ۲، ص ۳۹۳

13. السیرة النبویہ، ج ۳، ص ۱۰۵

14. قیام عاشورا در کلام امام، ص ۱۶

کتب معراج کمپنی

1	چودہ ستارے	500/-	23	سعادت الدارین	600/-
2	معراج خطابت	700/-	24	مصائب آل محمدؐ	400/-
3	روایات عزا	600/-	25	ہمارے عقائد	100/-
4	نہج البلاغہ	400/-	26	صحیفہ کاملہ (سجادیہ)	250/-
5	سیرت امیر المومنینؑ	600/-	27	آداب اسلامی	500/-
6	صدیقہ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)	300/-	28	رہنمایان اسلام	150/-
7	جامع المصائب	200/-	29	آداب نماز	500/-
8	انبیائے قرآن 3 جلد سیٹ	600/-	30	امام مہدیؑ کی بشارتیں آسمانی کتب میں	125/-
9	مصائب معصومینؑ	100/-	31	سیرت حضرت عباس علمدارؑ	175/-
10	کامیابی کا راز	125/-	32	مکتب اہل بیتؑ	175/-
11	درس زندگی	125/-	33	انسان اور تقدیر	125/-
12	خطرات نفس	125/-	34	کائناتی تصور معصومینؑ کی نظر میں	125/-
13	اصل و اصول شیعہ	150/-	35	انقلاب امام حسینؑ	150/-
14	مجالس امام حسینؑ	150/-	36	عدل الٰہی	250/-
15	توضیح المسائل حضرت آیت اللہ علی خامنہ ای	250/-	37	نماز آل محمدؐ	250/-
16	احکام دین	200/-	38	توضیح المسائل آغا سیستانی	400/-
17	وظائف الابرار	300/-	39	مجالس ام رباب	200/-
18	قرآن اور نظریہ امامت	125/-	40	فضائل صلوات	125/-
19	آداب معاشرت	125/-	41	بازار اسلامی	125/-
20	آئین تربیت	225/-	42	معرفت امام حسینؑ	125/-
21	مفید باتیں	125/-	43	نماز کی تکبیر	200/-
22	شہدائے کربلا	250/-	44		

مطبوعات معراج کمپنی

- چودہ ستارے
- سعادت الدارین
- معراجِ خطابت
- روایاتِ عزا
- مصائبِ آلِ محمدؐ
- نہج البلاغہ
- سیرت امیر المومنینؑ
- ہمارے عقائد
- صحیفہ کاملہ (سجادیہ)
- آدابِ اسلامی
- قرآن اور امامت
- آدابِ نماز
- خطراتِ نفس
- انسان اور تقدیر
- جامع المصائب
- دوستی
- اصل و اصول شیعہ
- راہنمایانِ اسلام
- مصائبِ معصومینؑ
- مکتبِ اہل بیتؑ
- مجالس اُم رباب
- مجالسِ امام حسینؑ
- خطباتِ امام حسینؑ
- انقلابِ امام حسینؑ
- کامیابی راز
- زندگانی امام سجادؑ
- درسِ زندگی
- انبیائے قرآن (3 جلد)
- چہل حدیث
- سیرت عباس علمدار
- حکومت مہدیؑ
- امہات المعصومینؑ
- آداب معاشرت
- بازارِ اسلامی
- احکامِ دین
- معرفت امام حسینؑ
- صدیقۂ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)
- امام مہدیؑ کی بشارتیں آسمانی کتابوں میں